کلیاتِ شکیل بدایونی
شبستان
رعنائیاں
رنگینیاں
شکیل بدایونی
نغمۂ فردوس
دھرتی کو آکاش پکارے
صنم وحرم

كلیاتِ شکیلؔ
شکیلؔ بدایونی

تعداد :- پانچسو

طابع :- نعمانی پریس دہلی

قیمت : بارہ روپے

ناشر

پرویز بک ڈپو

دہلی

انتساب

بنام

والدِ محترم حضرت مولانا ابو الجمال مولوی جمیل احمد سوختہ

قادری بدایونی مرحوم

ہیں تنہا جن کی یادگار ہم

شکیلؔ

بدایونی

مقدمہ

(از رئیس المتغزلین حضرت جگر مراد آبادی مدظلہٗ)

شکیل کو میں ان کے زمانۂ حصولِ تعلیم سے جانتا ہوں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے متعلم تھے۔ میری زندگی و سرمستی کا شباب تھا، ہر چیز نذر ساغر یہاں تک کہ اس زمانے کے بے شمار واقعات کا تصور تک اب نہیں آتا۔ تاوقتیکہ بعض احباب انہیں خود بیان کر کے ان کی بار بار تصدیق بھی نہ کرتے جائیں۔ برا شعر سن نہیں سکتا تھا۔ اکثر و بیشتر مشاعروں میں اس طرح کے عجیب و غریب مظاہرات ہوتے رہتے ہیں۔ شعرا بہت "محتاط" بن جاتے تھے اور مشاعرے بہت ہی مختصر شکیل بحیثیت شاعر ابتدائی دور سے گزر رہے تھے۔ تاہم ان کے کلام نے مجھے اپنی جانب کھینچا۔ اگرچہ کلام میں خامیاں بھی ہوں گی۔ لیکن شعریت اور شعریت کے ساتھ ساتھ سلاست بیان بدرجہ اتم موجود تھی۔ میرے لیے ہمیشہ شعر میں اولین و آخرین وجہ کشش انفرادیت کے ساتھ ساتھ صرف شعر کی باطنی لطافت و پاکیزگی شعریت و نغمگی رہتی ہے۔ سنتے وقت معمولی معمولی سی لفظی خامیوں کا احساس تک نہیں ہوتا۔ بشرطیکہ شعر کا باطنی رخ نہایت درجہ حسین و جمیل ہو۔ شکیل کے ابتدائی کلام میں بھی کم و بیش یہ تمام خصوصیات یا ان خصوصیات کے متعلق نمایاں طور پر آثار پائے جاتے تھے شکیل فطرتاً صالح استعداد شعری اور پاکیزہ مزاج رکھتے تھے، انکے کلام میں تنہا شعریت ہی نہیں بلکہ خود ان کی زندگی بھی ہے۔ وہ ہمیشہ متبسم نظر آتے ہیں۔ اور ماحول کو مسرور دیکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن یہ کس کو خبر ہے کہ ان کی مسرور زندگی ہے یا زخم ہائے پنہاں کا حجاب لطیف، دور حاضر ہی میں نہیں بلکہ ہمیشہ سے شاعر فطرت اور

شاعر کاریگر، دونوں ساتھ ساتھ رہے ہیں۔ صرف ہیئتیں بدلتی رہتی ہیں۔

شکیل شاعرِ فطرت ہیں، شاعر کاریگر نہیں۔ ان کا کلام محض لفظی طلسم بندیوں کا مجموعہ نہیں بلکہ حقیقتاً ان کا کلام ان کی زندگی کا آئینہ دار ہے۔ مجھے اس سے انکار نہیں کہ اب بھی ان کے کلام میں زبان کی کمزوریاں پائی جاتی ہیں اور شاذونادر معنوی استقام بھی۔ لیکن شکیل بہرحال انسان ہیں فرشتہ نہیں۔ خوش مذاقی کا تقاضہ یہ نہیں کہ عیوب ہی پر نظر پڑے۔ بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ محاسن غالب ہیں یا معایب۔ میرے نزدیک شکیل کے کلام میں محاسن بدرجہ اتم موجود ہیں۔

زبان کے متعلق نمود میرا نظریہ یہ ہے کہ میں "زبان کو لباس اور معنویت" کو محبوب تصور کرتا ہوں اور میرے نزدیک حسین وہی ہے جو پھٹا پرانا، میلا، کچیلا لباس پہن کر خود لباس کو بھی حسین بنا دے۔ نہ یہ کہ خود محتاج زیبائش و آرایش ہو شکیل کے کلام میں اگر زبان کی چند خامیاں پائی جا سکتی ہیں۔ تو اکثر و بیشتر اسی طرح کی اور کم تر ایسی بھی جنہیں حقیقتاً خامیاں کہا جا سکتا ہے اور وہ مقتضا بشریت بھی ہیں۔

شکیل اگرچہ آج بھی "شعروادب" میں بلند اور منفرد درجہ رکھتے ہیں لیکن مجھے یقین کامل ہے کہ اگر وہ باجزانہ مراحلِ زندگی طے کرتے رہے تو مستقبل قریب میں ایک خاص شخصیت اور انفرادیت کے مالک بن جائیں گے اور تاریخ ادب میں ان کی ذات غیر فانی بن کر رہے گی۔

میرا یہ عالم ہے کہ فطرتاً معیاری قسم کا کاہل انسان واقع ہوا ہوں۔ اور ضرورتاً تنہائی مصروف زندگی بسر کرنے پر مجبور۔ ورنہ کلام شکیل کے محاسن تفصیلی طور پر پیش کرتا، صرف چند اشعار، "مشتے نمونہ از خروارے" پیش کیے دیتا ہوں۔ اس طرح کے چند اشعار بھی اگر کوئی شخص زندگی بھر میں کہہ دے

تو میں اسے صحیح معنوں میں شاعر تسلیم کرنے کو تیار ہوں۔

شگفتگیٔ دل کارواں کو کیا سمجھے
وہ اک نگاہ جو الجھی ہوئی غبار میں ہے

یہ اظہار تقدس، چھپکے یہ میخواریاں واعظا
تجھے منجملہ اسبابِ فن کہنا ہی پڑتا ہے

دل غم جاناں سے لذت آشنا ہونیکو ہے
کافرانہ زندگی! ابتدا ہونے کو ہے

فریب وعدہ فردا کو جانتا ہوں مگر
میں کیا کروں اگر آجائے اعتبار مجھے

ہزار ترک وفا کروں میں تیری محبت کو کیا کروں
دل حزیں تجھسے روٹھ کر بھی تمہارے اشاروں پہ چل رہا ہے

محبت کی وہ منزل بھی عجب نازک سی منزل ہے
جہاں اندازۂ لطف و ستم دشوار ہو جائے

جاتے ہیں دلمیں چھوٹ کے وہ جلوۂ خیال
بجھتی ہے شمع گھر میں اندھیرا کیے بغیر

اکثر تو دل گرفتگیٔ شوق کی قسم
مجھ تک وہ آگئے ہیں ارادہ کیے بغیر

وہ اگر برا نہ مانیں تو جہانِ رنگ و بو میں
میں سکون دل کی خاطر کوئی ڈھونڈ لوں سہارا

میں بتاؤں فرق ناصح جو ہے مجھ میں اور تجھ میں
مری زندگی تلاطم تری زندگی کنارا

قسم فریبِ نگاہ و دل کی ہمیں تو اس جستجو نے کھویا
وہی تھی دراصل اپنی منزل قدم اٹھے تھے جہاں سے پہلے

ناصح نظر شناس نہیں ہم تو کیا ملال
جو دل کو دیکھتے ہیں نظر دیکھتے نہیں

ہاں تیری خوشی میری خوشی ہے مگر اے دوست
اس لطف مسلسل کا کبھی شکوہ نہ کروں کیا

لمحات یاد دوست کو صرف دعا نہ کر
آتے ہیں زندگی میں یہ عالم کبھی کبھی

زاہد کی مے کشی پہ تعجب نہ کیجیے
لاتی ہے رنگ فطرت آدم کبھی کبھی

رعنائیاں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد

یہ زمیں آسماں ترے صدقے
میں ہی کیا دو جہاں ترے صدقے

ہر نفس ہر خیال تجھ پہ نثار
ہر نظر ہر زباں ترے صدقے

خلوتِ حسن شش جہت کی قسم
بزمِ کون و مکاں ترے صدقے

ہے قیامت کا انتظار ہنوز
دل کی بے تابیاں ترے صدقے

نقش ہے لوحِ دل پہ تیرا کلام
رحمتِ جاوداں ترے صدقے

حور و جن و ملک کو کیا کہیے
ابنِ آدم کی جاں ترے صدقے

رنگ و بو میں الجھ سکا نہ شکیلؔ
جلوۂ لامکاں ترے صدقے

نعت

(بہ اجازت آل انڈیا ریڈیو دہلی)

موت ہی نہ آجائے کاش ایسے جینے سے
عاشقِ نبی ہو کر دور ہوں مدینے سے

فرقتِ محمدؐ میں خوں فشاں ہیں یوں آنکھیں
جیسے مے چھلکتی ہو، سرخ آبگینے سے

زندگی کے طوفاں میں جبکہ ناخدا تم ہو
کیوں نہ ہوں خدا والے مطمئن سفینے سے

کون سی دعا ہے وہ جو اثر نہیں رکھتی
ہاں مگر یہ لازم ہے مانگئے قرینے سے

اے حسینِ بطحا بس ہے یہی خوشی میری
عمر بھر لگا رکھوں تیرے غم کو سینے سے

آنکھ بند کرتے ہی ہم تو اے شکیلؔ اکثر
چل دیئے مدینے کو آ گئے مدینے سے

....

انتخابِ کلام

سنہ ۱۹۳۸ء تا سنہ ۱۹۴۴ء

لا رہا ہے کوئی شیشے میں بھر کے سامنے
کس قدر پُر کیف منظر ہے نظر کے سامنے

الاماں ذوقِ تماشہ کی کرشمہ کاریاں
کچھ نہیں ہے اور سب کچھ ہے نظر کے سامنے

میں تو اس عالم کو کیا سے کیا بنا دیتا مگر
کس کی چلتی ہے حیاتِ مختصر کے سامنے

پھر نہ دینا طعنہ ناکامیِ ذوقِ نظر
حوصلہ ہے کچھ تو آ جاؤ نظر کے سامنے

آہ یہ رودادِ ہنگامِ طرب اے غم گسار
ذکرِ گلشن جیسے اک بے بال و پر کے سامنے

ہو چکا جب خاتمہ ساری امیدوں کا تو پھر
جا رہے ہو کیوں شکیلؔ اس فتنہ گر کے سامنے

• • • • • •

نظر سے یہ قیدِ تعین اٹھائی جاتی ہے ۔۔۔ تجلیِ رخِ جاناں دکھائی جاتی ہے

جب ان کو حوصلۂ دل پہ اعتبار نہیں ۔۔۔ تو پھر نظر سے نظر کیوں ملائی جاتی ہے

خم و سبو کی ضرورت کے ہم نہیں قائل ۔۔۔ شراب مست نظر سے پلائی جاتی ہے

ستم نوازیِ پیہم ہے عشق کی فطرت ۔۔۔ فضول حسن پہ تہمت لگائی جاتی ہے

بھلا دیا غمِ روزگار نے جس کو ۔۔۔ وہ داستاں مجھے پھر یاد آئی جاتی ہے

شکیل دوریِ منزل سے ناامید نہ ہو
اب آئی جاتی ہے منزل اب آئی جاتی ہے

⁂ ⁂ ⁂

جل کے اپنی آگ میں خود صورتِ پروانہ ۔۔۔ بن گئے ہم رشتۂ خاکِ درِ جانانہ ہم

دیکھیے کس راہ لے جائے سکوں کی جستجو ۔۔۔ چل تو نکلے ہیں بہ یک انداز بیتابانہ ہم

حالِ دل، احوالِ غم، شرحِ تمنا، عرضِ شوق ۔۔۔ بے خودی میں کہہ گئے افسانہ در افسانہ ہم

پارسائی خندہ زن وعدہ خلافی طعنہ ریز ۔۔۔ ہائے کس مشکل سے پہنچے تا درِ میخانہ ہم

فرصتِ یک لمحہ دے دیتی جو فکرِ روزگار ۔۔۔ یاد کر لیتے کوئی بھولا ہوا افسانہ ہم

جب جفا و جور بھی جزوِ محبت ہیں شکیل
کس لیے رہتے جفا و جور سے بیگانہ ہم

⁂ ⁂ ⁂

وجہ قدر و قیمتِ دل حسن کی تنویر ہے ۔۔۔ ورنہ اک ٹوٹے ہوئے شیشے کی کیا توقیر ہے

کچھ تبسم زیرِ لب، پر شرم دامن گیر ہے ۔۔۔ اف یہ کس عالم میں کھچوائی تصویر ہے

اک نظر دیکھا جسے مدہوش و بیخود کر دیا ۔۔۔ تیری کیف آگیں نگاہوں میں عجب تاثیر ہے

کتنی دلکش ہیں تری تصویر کی رعنائیاں　　لیکن اے پردہ نشیں تصویر پھر تصویر ہے

پھونک دے برقِ تپاں میرا قفس بھی پھونک دے　　آشیاں کی بھی اک بگڑی ہوئی تصویر ہے

لن ترانی کہہ دیا تھا طور پر جس نے شکیل

ذرے ذرے میں اسی کے حسن کی تصویر ہے

⁂ ⁂ ⁂

سامنے ہے صنم کدہ سوئے حرم نظر بھی ہے

ذوقِ سجود مرحبا سر بھی ہے سنگِ در بھی ہے

تابشِ حسن خود نما اف یہ نظر فریبیاں

بزم سے خود نہاں بھی ہے بزم میں جلوہ گر بھی ہے

اب بھی وہ برقِ طور سوز اسی طرح دل فروز

دور بھی ہر نظر سے ہے، زینتِ ہر نظر بھی ہے

ظلمتِ عالمِ فراق، جلوۂ حسنِ بے مثال

بزمِ تصورات میں شام بھی ہے سحر بھی ہے

نالہ و آہ پے بہ پے اے دلِ زار تا بکے

جس کا تجھے خیال ہے اس کو تری خبر بھی ہے

⁂ ⁂ ⁂

مجھ کو ساقی نے جو رخصت کیا میخانے سے　　خود مئے ناب چھلکنے لگی پیمانے سے

دیکھ کر حالتِ دل، انکو ترس آ ہی گیا　　وہ بھی گھبرا سے گئے میرے تڑپ جانے سے

دیتے ہیں طعنۂ اصنام پرستی مجھ کو　　سجدہ کرتے ہوئے نکلے ہیں جو میخانے سے

آپ کے جاتے ہی آباد ہوئی بزم خیال
بن گئی اور بھی تقدیر بگڑ جانے سے

محتسب اب تجھے توبہ کا یقیں ہو کہ نہ ہو
ہم تو ٹکرا چکے پیمانے کو پیمانے سے

اپنا ہم مسلک و ہم راز کسے کہیے شکیل
نظر اس بزم میں سب آتے ہیں بیگانے سے

⁂ ⁂ ⁂

حقیقت غم الفت چھپا رہا ہوں میں
شکستہ دل ہوں مگر مسکرا رہا ہوں میں

کمال حوصلہ دل دکھا رہا ہوں میں
کسی سے رسم محبت بڑھا رہا ہوں میں

بدل دیا ہے محبت نے ان کا طرز عمل
اب ان میں شان تکلف سی پا رہا ہوں میں

مچل مچل کے میں کہتا ہوں "بیٹھئے" تو سہی
سنبھل سنبھل کے وہ کہتے ہیں جا رہا ہوں میں

سنی ہوئی سی بس اک دھن ضرور ہے
یہ خود خبر نہیں کیا گنگنا رہا ہوں میں

⁂ ⁂ ⁂

اب وہ خود علاج درد پنہاں ہو گئے
اے خوشا قسمت کہ پھر جینے کے ساماں ہو گئے

سوچ تو لیتے آئینے میں کس کا عکس ہے
اک ذرا سی بات پر اس درجہ حیراں ہو گئے

اللہ محبت نظر پارۂ برق جمال
وہ نظر آنے نہ پائے تھے کہ پنہاں ہو گئے

میں تو سمجھا تھا کہ یہ بھی اک فریب حسن ہے
اف رے غیرت وہ تو سچ مچ پشیماں ہو گئے

دید کے قابل ہے فیض رہ نوردان جنوں
خار دامن سے الجھ کر گل بداماں ہو گئے

صدقۂ جاں سوزئ فرقت تو تجھ پر بار تھا
میری حالت دیکھ کر تم کیوں پریشاں ہو گئے

کون رکھے گا جہاں میں کفر سامانی کی لاج
عشق میں ہم جیسے کافر مسلماں ہو گئے

حضرتِ واعظ جہاں کی لذتوں سے کیوں ہو دور
یہ فرشتہ خصلتی کیسی جب انساں ہو گئے

عہدِ فردا اک بہانہ ہی سہی لیکن شکیلؔ
اس بہانے سے سکونِ دل کے ساماں ہو گئے

⁘ ⁘ ⁘

ساقی نظر سے پنہاں شیشے تہی تہی سے
باز آئے ہم تو ایسی بے کیف زندگی سے

کس شوق کس تمنا کس درجہ سادگی سے
ہم آپ کی شکایت کرتے ہیں آپ ہی سے

حسنِ شگفتہ رو کی اللہ ری ادائیں
نظریں بچی ہیں بھی مجھی پر پردہ بھی ہے مجھی سے

اے میرے ماہِ کامل پھر آشکار ہو جا
اکتا گئی طبیعت تاروں کی روشنی سے

نالہ کشو اٹھا دو آہ و فغاں کی رسمیں
دو دن کی زندگی ہے کاٹو ہنسی خوشی سے

دامن ہے ٹکڑے ٹکڑے ہونٹوں پہ ہے تبسم
اک درس لے رہا ہوں پھولوں کی زندگی سے

آگے خدا ہی جانے انجامِ عشق کیا ہو
جب اے شکیلؔ اپنا یہ حال ہے ابھی سے

⁘ ⁘ ⁘

دل دہی، دلِ ناشاد کیے جاتا ہوں
یعنی رہ رہ کے انہیں یاد کیے جاتا ہوں

سعیٔ ضبطِ غم بیداد کیے جاتا ہوں
پختہ تر عشق کی بنیاد کیے جاتا ہوں

دل کو وقفِ غمِ بیداد کیے جاتا ہوں
اپنا گھر آپ ہی برباد کیے جاتا ہوں

اک وہ ہیں کہ تغافل سے نہیں ان کو گریز
اک میں ہوں کہ انہیں یاد کیے جاتا ہوں

کیا یہ کم ظلم ہے کچھ غور تو کیجیے دل میں
آپ ہنستے ہیں میں فریاد کیے جاتا ہوں

بھول کر عہدِ گزشتہ کی حکایات شکیلؔ
دل کو ہر فکر سے آزاد کیے جاتا ہوں

دیدۂ شوق سے نہاں محفلِ رنگ و بو نہیں
اس کی نظر نظر کہاں جس کی نظر میں تو نہیں

ہائے وہ مست انکھڑیاں نظر کے رو برو نہیں
بادہ کشی کا لطف کیا جام نہیں سبو نہیں

درد میں کچھ کمی نہ ہو یہ تو قبول ہے مگر
طالب لطف چارہ گر غیرتِ چارہ جو نہیں

حیرتِ عشق کی قسم ہو گئے ایسے محو ہم
جب تو اک آرزو بھی تھی اب کوئی آرزو نہیں

عزم سوال کیا کہوں، رعبِ جمال کیا کہوں
حسرتِ گفتگو تو ہے، جرأتِ گفتگو نہیں

نالہ کشانِ عشق اف ری الم نوازیاں
بیٹھے ہیں ایسے مطمئن جیسے کچھ آرزو نہیں

جانِ بہار ہر نظر عشق کا راز دا نہ کہہ
عرضِ شکیل سن مگر غیرِ رد و برد نہیں

⁂ ⁂ ⁂

آدابِ عاشقی سے بیگانہ کہہ رہی ہے
میری نظر مجھی کو دیوانہ کہہ رہی ہے

ہر آہِ سرد پیہم دل سے نکل نکل کر
دل کی تباہیوں کا افسانہ کہہ رہی ہے

اس درجہ ہے مسلط دیوانگی کا عالم
دیوانگی بھی مجھ کو دیوانہ کہہ رہی ہے

یہ انقلاب دوراں یہ عیش و غم کے عنواں
گویا زبانِ فطرت افسانہ کہہ رہی ہے

میری زباں انہیں سے انکے ستم کا قصہ
یوں دب کے کہہ رہی ہے گویا نہ کہہ رہی ہے

اے برقِ فتنہ ساماں عنوان تازہ کوئی
یہ کیا سنا سنایا افسانہ کہہ رہی ہے

ہوں زندہ اک مرقع میں صورت آفریں کا
دنیا شکیل میرا افسانہ کہہ رہی ہے

⁂ ⁂ ⁂

دنیا کی ردایات سے بیگانہ نہیں ہوں
چھیڑو نہ مجھے میں کوئی دیوانہ نہیں ہوں

اس کثرتِ غم پر بھی مجھے حسرتِ غم ہے
جو بھر کے چھلک جائے وہ پیمانہ نہیں ہوں

رودادِ غمِ عشق ہے تازہ مرے دم سے
عنوان ہر افسانہ ہوں، افسانہ نہیں ہوں

الزامِ جنوں دیں نہ مجھے اہلِ محبت
میں خود یہ سمجھتا ہوں کہ دیوانہ نہیں ہوں

میں قائلِ خودداری الفت سہی لیکن
آدابِ محبت سے بیگانہ نہیں ہوں

ہے برقِ سرِ طور سے دل شعلہ بداماں
شمعِ سرِ محفل ہوں میں پروانہ نہیں ہوں

ہے گردشِ ساغر مری تقدیر کا چکر
محتاجِ طوافِ درِ میخانہ نہیں ہوں

کانٹوں سے گزر جاتا ہوں دامن بچاکر
پھولوں کی سیاست سے میں بیگانہ نہیں ہوں

لذت کشِ نظارہ شکیلؔ اپنی نظر ہے
محرومِ جمالِ رخِ جانانہ نہیں ہوں

⁂ ⁂ ⁂

کچھ جو انہیں مجھ سے حجاب آگیا
میری امیدوں پہ شباب آگیا

آگئی ہونٹوں پہ جنوں کی ہنسی
جب کوئی باحال خراب آگیا

تیز خرامیٔ محبت نہ پوچھ
آنکھ جھپکتے ہی شباب آگیا

عشق کی بیگانہ روی کے نثار
حسن کو اندازِ عتاب آگیا

اٹھنے لگی پھر وہ نظر مست مست
دور میں پھر جامِ شراب آگیا

دیکھئے تقدیر کا لکھا شکیلؔ
لیجیے وہ خط کا جواب آگیا

⁂ ⁂ ⁂

ناکام عرض شوق کی جرأت ہے کیا کروں
دل خود ہی پردہ دار محبت ہے کیا کروں
شوق طواف کوئے محبت ہے کیا کروں
ان کی گردشوں پہ اور یہ حسرت ہے کیا کروں
دل کا بھی کیا قصور تمہاری بھی کیا خطا
برگشتہ مجھ سے خود مری قسمت ہے کیا کروں
تم ہو جفا پسند تو میں ہوں وفا شعار
خود دار اپنی اپنی طبیعت ہے کیا کروں
دیکھوں انہیں تو تاب نظارہ نہیں مگر
ان کو نہ دیکھنا بھی قیامت ہے کیا کروں
تقدیر ہی سے صرف شکایت نہیں مجھے
تقدیر کو بھی مجھ سے شکایت ہے کیا کروں
گو دل شکن ہیں ان کی تغافل شعاریاں
اس پر بھی مجھ کو ان سے محبت ہے کیا کروں
جاتا ہوں روز ان کی طرف دل بکف شکیل
کمبخت آج تک وہی عادت ہے کیا کروں

⁂ ⁂ ⁂

راز وفائے ناز پھر دل کو بتا گیا کوئی
جیسے مراد واقعی عشق میں پا گیا کوئی

یوں تیری بزم ناز سے اٹھ کے چلا گیا کوئی
جذبۂ شوق مطمئن راہ پر آ گیا کوئی

سینے میں روح درد دل بنکے سما گیا کوئی
ویسے ہی درد کم نہ تھا اور بڑھا گیا کوئی

شان نیاز دیکھنا، شوخیٔ ناز دیکھنا
نیت سجدہ جب ہوئی سامنے آگیا کوئی

ختم ہوئی کشاں کشاں فکر و نظر کی داستاں
اب غم جستجو کہاں، دل ہی میں آگیا کوئی

لوگ اسے جنوں کہیں یا نہ کہیں شکیل
میں تو کسی کا ہو چکا مجھ میں سما گیا کوئی

⁂ ⁂ ⁂

مست نظارہ بھی کس درجہ تجاہل کوش ہے
یوں نظر آتا ہے جیسے واقعی بے ہوش ہے

خوف فردا ہے نہ فکر فتنہ ہائے دوش ہے
اب تصور میں ترا آغوش ہی آغوش ہے

رفتہ رفتہ بجھتا جاتا ہے چراغ آرزو
پہلے دل خاموش تھا اب زندگی خاموش ہے

کوئی دیکھے تو ذرا اعجاز حسن بے اماں
روبرو کار دبر، روپوش کار روپوش ہے

جو بھی دل ہے عشق کی نیرنگیوں پر ہے نثار
عشق کا آغوش بھی کیا حسن کا آغوش ہے

مجھ کو طوفان حوادث کی نہیں پروا شکیل
میری ہستی ابتدا ہی سے تلاطم کوش ہے

⁂ ⁂ ⁂

ابھی جذبۂ شوق کامل نہیں ہے
کہ بیگانہ، آرزوِ دل نہیں ہے

کوئی پردۂ راز حائل نہیں ہے
ستم ہے وہ پھر بھی مقابل نہیں ہے

سرِ آنکھوں پہ نیرنگیٔ بزمِ عالم
جسے خوفِ غم ہو یہ وہ دل نہیں ہے

مسرت بداماں ہوں سیلابِ غم میں
کوئی موج محرومِ ساحل نہیں ہے

محبت سے بچ کر کہاں جائیے گا
تلاطم ہے آغوشِ ساحل نہیں ہے

وہ کس ناز و انداز سے کہہ رہے ہیں
شکیلؔ اب محبت کے قابل نہیں ہے

⁂ ⁂ ⁂

اے قافلۂ شوق مرے دل سے گزر جا
منزل کی تمنا لیے منزل سے گزر جا

پروردۂ طوفاں ہے تو اے موجِ محبت
ساحل کبھی جو آ جائے تو ساحل سے گزر جا

پھر دیکھ جو ہو کشمکشِ حسن کا عالم
نیچی کیے نظروں کو مقابل سے گزر جا

دل ڈھونڈ رہا ہے کوئی جاں سوزِ تجلی
اے برقِ نظر سینۂ بسمل سے گزر جا

ہر گوشۂ ہستی ہے ابھی درخورِ تعمیر
اک بار پھر اجڑی ہوئی بستی سے گزر جا

⁂ ⁂ ⁂

ہر گوشۂ نظر میں سمائے ہوئے ہو تم
جیسے کہ میرے سامنے آئے ہوئے ہو تم

میری نگاہِ شوق پہ چھائے ہوئے ہو تم
جلوؤں کو خود حجاب بنائے ہوئے ہو تم

کیوں اک طرف نگاہ جمائے ہوئے ہو تم
کیا راز ہے جو مجھ سے چھپائے ہوئے ہو تم

دل نے تمہارے حسن کو بخشی ہیں رفعتیں
دل کو مگر نظر سے گرائے ہوئے ہو تم

یہ جو نیاز عشق کا احساس ہے تمہیں — شاید کسی کے ناز اٹھائے ہوئے ہو تم
یا مہربانیوں ہی کے قابل نہیں ہوں میں — یا واقعی کسی کے سکھائے ہوئے ہو تم
اب امتیاز پردہ و جلوہ نہیں مجھے — چہرے سے کیوں نقاب اٹھائے ہوئے ہو تم

اف رے ستم شکیلؔ یہ حالت تو ہو گئی
اب بھی کرم کی آس لگائے ہوئے ہو تم

⁘ ⁘ ⁘ ⁘

ہو تو کمال ربط محبت کسی کے ساتھ
دل چیز کیا ہے جان بھی دیدوں خوشی کے ساتھ

ہمدردیاں ہیں عمر کو تنہا روی کے ساتھ
طے کر رہا ہوں راہِ وفا زندگی کے ساتھ

ہے ہر قدم پہ فتنہ در آغوش کائنات
ممکن نہیں گزر جو یہاں آشتی کے ساتھ

حاصل ہے اختیار جسے مرگ و زیست پر
جی چاہتا ہے عمر گزاروں اسی کے ساتھ

وہ عشق کیا جو بن کے رہے غیر مستقل
وہ درد کیا جو ختم نہ ہو زندگی کے ساتھ

حاصل ہے اوج سجدہ حریم جمال پر
فطرت میں کچھ غرور بھی ہے عاجزی کے ساتھ

دراصل آدمی نہ سمجھنا اسے شکیلؔ
جو آدمی وفا نہ کرے آدمی کے ساتھ

یہ کیا ستم ظریفیٔ فطرت ہے آج کل
بیگانگی شریکِ محبت ہے آج کل

غم ہے کہ ایک تلخ حقیقت ہے آج کل
دل ہے کہ سوگوارِ محبت ہے آج کل

تنہائیٔ فراق سے گھبرا رہا ہوں میں
میرے لیے سکوں بھی قیامت ہے آج کل

ہر سانس ترجمانِ غمِ دل ہے ان دنوں
ہر آہ پردہ دارِ حکایت ہے ان دنوں

میری وفا ہی میرے لیے قہر بن گئی
اپنی جفا پہ ان کو ندامت ہے آج کل

پھر چاہتا ہوں اک تازہ ترا الم شکیلؔ
پھر دل کو جستجوئے مسرت ہے آج کل

⁂ ⁂ ⁂

چاندنی میں رخِ زیبا نہیں دیکھا جاتا
ماہ و خورشید کو یکجا نہیں دیکھا جاتا

یوں تو ان آنکھوں سے کیا کیا نہیں دیکھا جاتا
ہاں مگر اپنا ہی جلوہ نہیں دیکھا جاتا

دیدہ و دل کی تباہی مجھے منظور مگر
ان کا اترا ہوا چہرہ نہیں دیکھا جاتا

ضبطِ غم ہاں وہی اشکوں کا تلاطم اکبار
اب تو سوکھا ہوا دریا نہیں دیکھا جاتا

زندگی آ تجھے قاتل کے حوالے کر دوں
مجھ سے اب خونِ تمنا نہیں دیکھا جاتا

اب تو جھوٹی بھی تسلی بسر و چشم قبول
دل کا رہ رہ کے تڑپنا نہیں دیکھا جاتا

⁂ ⁂ ⁂

نقاب دیدۂ پرنور ہو گئے ہو تم
قریب آ کے بہت دور ہو گئے ہو تم

نگاہ و دل سے اگر دور ہو گئے ہو تم
نگاہ و دل ہی میں مستور ہو گئے ہو تم

مجھے تو غفلت بے جا پہ تھا گمان فریب
کیا خبر تھی کہ مجبور ہو گئے ہو تم

کہاں نیاز محبت، کہاں دیار جمال
یہ سن کے خوش ہوں کہ مغرور ہو گئے ہو تم

مجال دید نگاہوں کو ہے بقدر مذاق
کہیں قریب کہیں دور ہو گئے ہو تم

شکیلؔ ترک وفا پر ہے اختیار اگر
تو کس خیال سے مجبور ہو گئے ہو تم

⁘ ⁘ ⁘

اب تو خوشی کا غم ہے نہ غم کی خوشی مجھے
بے حس بنا چکی ہے بہت زندگی مجھے

وہ وقت بھی خدا نہ دکھائے کبھی مجھے
ان کی ندامتوں پہ ہو شرمندگی مجھے

رونے پہ اپنے ان کو بھی افسردہ دیکھ کر
یوں بن رہا ہوں جیسے اب آئی ہنسی مجھے

یوں دیجیے فریب محبت کہ عمر بھر
میں زندگی کو یاد کروں زندگی مجھے

رکھنا ہے تشنہ کام تو ساقی بس اک نظر
سیراب نہ کر دے میری تشنہ لبی مجھے

پایا ہے سب نے دل مگر اس دل کے باوجود
اک شے ملی ہے دل میں کھٹکتی ہوئی مجھے

راضی ہوں یا خفا ہوں وہ جو کچھ بھی ہوں شکیلؔ
ہر حال میں قبول ہے ان کی خوشی مجھے

⁘ ⁘ ⁘

کاش گلشن میں یوں بہار آئے
جامۂ رنگ و بو اتار آئے

تری محفل سے کامگار آئے
بن کے سر تا قدم بہار آئے

داخل میکدہ ہیں یوں واعظ — جیسے مسجد میں بادہ خوار آئے

کاش بے اعتباریوں کو مری — تیرے وعدے پہ اعتبار آئے

مختصر داستانِ ہستی ہیں — تذکرے غم کے بار بار آئے

دل کو ان سے ہی نسبتیں ہیں شکیل

جب نہ ہوں وہ تو کیوں قرار آئے

فریبِ محبت سے غافل نہیں ہوں میں — جو مستِ جنوں ہو وہ دل نہیں ہوں میں

نہیں عزمِ ترکِ تعلق مبارک — میں ان کے ارادوں میں حائل نہیں ہوں

تری بزم سے ہے بس اتنا تعلق — کہ شامل بھی ہوں اور شامل نہیں ہوں

کرم اور اغیار کے مشوروں سے — میں ایسی عنایت کا قائل نہیں ہوں

سنبھل کر ذرا اے محبت کی کشتی — میں طوفاں ہی طوفاں ہوں ساحل نہیں ہوں

مزا سوزِ ہستی ہے دور از ندامت

میں پروانہ ہوں، شمعِ محفل نہیں ہوں

بیکار گئی آڑ ترے پردۂ در کی — اللہ رے وسعت مرے آغوشِ نظر کی

پی شوق سے واعظ ارے کیا بات ہے ڈر کی — دوزخ ترے قبضہ میں ہے جنت ترے گھر کی

ایمان کی دولت سے ترے حسن کا سودا — ایمان دولت ہے تری اک نظر کی

آجائے تصور میں کوئی حشر بداماں — پھر میری شبِ غم کو ضرورت ہے سحر کی

وہ سامنے ہیں پھر بھی انہیں ڈھونڈ رہا ہوں — آخر کوئی حد بھی ہو حجاباتِ نظر کی

تنہائی فرقت میں جو عالم ہے ادھر کا　　ہنگامہ محفل میں وہ حالت ہے ادھر کی

کچھ سہل نہ پائے ہیں محبت کے مراتب
چھانی ہے بہت خاک تری رہگزر کی

⁂ ⁂ ⁂

اہانت دلِ صبر آزما نہیں کرتے　　بلند ہم کبھی دستِ دعا نہیں کرتے

سرِ اہلِ عشق کے اکثر جھکا نہیں کرتے　　اگر جھکے کبھی کہیں پھر اٹھا نہیں کرتے

وہ بات ان کی نگاہیں بتائے دیتی ہیں　　جسے وہ اپنی زباں سے ادا نہیں کرتے

دلیل نالشِ ایماں ہے کفر کا احساس　　چراغ شام سے پہلے جلا نہیں کرتے

امید عہد وفا اور ان بتوں سے شکیل
جو بھول کر بھی کسی سے وفا نہیں کرتے

⁂ ⁂ ⁂

رہبر کی نہ فکر منزل کی　　کر رہا ہوں میں پیروی دل کی

کھو گیا جستجو کے شوق میں جب　　مل گئی مجھ کو راہ منزل کی

آہ نہ آئے نہ ان کو آنا تھا　　آرزو دل میں رہ گئی دل کی

پھر تلاطم میں لے گئیں موجیں　　مجھ کو صورت دکھا کے ساحل کی

ترکِ الفت کی کوششیں ہیں فضول　　کیا بجھے گی لگی ہوئی دل کی

الاماں پختگیٔ ذوق نظر
پست ہیں ہمتیں مقابل کی

⁂ ⁂ ⁂

پہلو میں دردِ عشق کی دنیا لیے ہوئے
بیٹھا ہوں زندگی کا سہارا لیے ہوئے

دل ہے تجلیٔ رخِ زیبا لیے ہوئے
آغوش میں ہے چاند کو دریا لیے ہوئے

پہنچے تو دل میں جوشِ تمنا لیے ہوئے
لوٹے مگر لٹی ہوئی دنیا لیے ہوئے

میں جی رہا ہوں غمکدۂ روزگار میں
تیری محبتوں کا سہارا لیے ہوئے

اٹھتا ہوں بزمِ حسن سے لغزش بپا شکیل
بہکی سی اک نظر کا سہارا لیے ہوئے

⁂

نمایاں دونوں جانب شانِ فطرت ہوتی جاتی ہے
انہیں مجھ سے مجھے ان سے محبت ہوتی جاتی ہے

مری شامِ الم صبحِ مسرت ہوتی جاتی ہے
کہ ہر لحظہ ترے ملنے کی صورت ہوتی جاتی ہے

نگاہیں مضطرب، اترا ہوا چہرا، زباں ساکت
جو تھی اپنی وہی اب ان کی حالت ہوتی جاتی ہے

نہ کیوں ہوں اس ادا پر عشق کی خودداریاں صدقے
انہیں روداد غم سن سن کر حیرت ہوتی جاتی ہے

کہیں رازِ محبت آسماں پر بھی نہ کھل جائے
مجھے آہ و فغاں کرنے کی عادت ہوتی جاتی ہے

محبت ہی میں ملتے ہیں شکایت کے مزے پیہم
محبت جتنی بڑھتی ہے شکایت ہوتی جاتی ہے

شکیلؔ اِن کی جدائی میں ہے لطف زندگی زائل
نظر بے کیف افسردہ طبیعت ہوتی جاتی ہے

⁂

نظر محوِ رخِ پیرِ مغاں معلوم ہوتی ہے
زمینِ میکدہ بھی آسماں معلوم ہوتی ہے

فضا ئیں ہیں جانبِ گردِ کارواں معلوم ہوتی ہے
زمیں پامال ہو کر آسماں معلوم ہوتی ہے

کمال بدگمانی کا یہ عالم ہے معاذ اللہ
ذرا سی بات بھی اک داستاں معلوم ہوتی ہے

بہشتِ آرزو سے لاکھ حسن و عشق کی منزل
مگر جنت یہ دورازِ کارواں معلوم ہوتی ہے

مرے دل نے مجھے غربت میں تسکیں دی یہ کہہ کہہ کر
وہ منزل ہے، وہ گردِ کارواں معلوم ہوتی ہے

فسانہ بن چکی ہو تیں مری بربادیاں اب تک
طبیعت خوگرِ ضبطِ فغاں معلوم ہوتی ہے

شکیلؔ افسانہ ہائے عشق کے عنوان تو دیکھو
یہ میری داستاں، میری زباں معلوم ہوتی ہے

⁂

سرگزشتِ دل کو رودادِ جہاں سمجھا تھا میں
مختصر سی بات کو اک داستاں سمجھا تھا میں

بن گئی میرے لیے اک اضطرابِ مستقل
جس محبت کو سکونِ قلب و جاں سمجھا تھا میں

وہ بھی میری گردشِ تقدیر کا اک دور تھا
جس کو اب تک انقلابِ آسماں سمجھا تھا میں

وہ تو یہ کہیے، محبت نے آنکھیں کھول دیں
زندگی کو ورنہ اک رازِ نہاں سمجھا تھا میں

رشک رہ رہ کر نہ کیوں آئے نصیبِ غیر پر
وہ ابھی محفل میں شامل تھے جہاں سمجھا تھا میں

تھا حرم کی زمیں پر لطف اندازِ سجود
یعنی کعبے کو تمہارا آستاں سمجھا تھا میں

وادیٔ غربت میں یوں گم کردہ منزل تھا شکیلؔ
رہزنِ منزل کو خضرِ کارواں سمجھا تھا میں

سکون و صبر کا امیدوار ہے اب تک
نہ جانے کس لیے دل بیقرار ہے اب تک

کسی کے جلوۂ رنگیں کی جاذبیت سے
مراد جو دبر رنگ بہار ہے اب تک

وہ اپنی وعدہ خلافی پہ ہو گئے نادم
اسی لیے تو مجھے اعتبار ہے اب تک

اٹھا تھا ایک ہی پردہ ہزار پردوں میں
جہاں میں تذکرۂ حسنِ یار ہے اب تک

جلے ہوئے مرے دل کو ہوا زمانہ شکیل
کسی کی برقِ نظر شعلہ بار ہے اب تک

⁂ ⁂ ⁂

کسی کو جب لگا ہوں کے مقابل دیکھ لیتا ہوں
تو پہلے سر جھکا کے حالتِ دل دیکھ لیتا ہوں

مآلِ جستجوئے ذوقِ کامل دیکھ لیتا ہوں
اٹھانے ہی قدم آثارِ منزل دیکھ لیتا ہوں

میں تجھ سے اور لطفِ خاص کا طالب معاذاللہ
ستمگر اس بہانے سے ترا دل دیکھ لیتا ہوں

جو موجیں خاص کر چشم و چراغِ دامِ طوفاں ہیں
میں ان موجوں کو ہم آغوشِ ساحل دیکھ لیتا ہوں

شکیل احساس ہے مجھ کو ہر اک موزوں طبیعت کا
غزل پڑھنے سے پہلے رنگِ محفل دیکھ لیتا ہوں

⁂ ⁂ ⁂

ہنوز دردِ محبت سکوں نواز نہیں
کہ میرے حال سے مایوس چارہ ساز نہیں

خدائے عشق کی بندہ نوازیوں کی قسم — میں بندہ وہ ہوں جسے بندگی پہ ناز نہیں

غم و خوشی تو مآل فریب ہستی ہیں — غم و خوشی کا محبت میں امتیاز نہیں

ہے پھر بھی حسرت نظارۂ جمال مجھے — یہ جانتا ہوں کہ عمر نظر دراز نہیں

کہو کہو یہ محبت کا لفظ پھر تو کہو — اسے چھپاؤ نہ مجھ سے یہ کوئی راز نہیں

جنون عشق مجھے اس مقام پر لے چل — جہاں مجاز و حقیقت میں امتیاز نہیں

مری اک آہ میں مضمر ہے راز عشق شکیل
جو میں کہوں تو مری داستاں دراز نہیں

سر بھی ہے پائے یار بھی شوق سوا کیا ہوا — جرأت دل کدھر گئی لغزش پا کو کیا ہوا

حسرت عفو کیا ہوئی جرم و خطا کیا ہوا — سامنے ہے در کرم دست دعا کو کیا ہوا

ذوق مذاق جستجو دیدہ و دل میں اب کہاں — منزل شوق پا ہی کی غیرت پا کو کیا ہوا

جذب و اثر سے بن گیا اور بھی دشمن آسماں — کر دیا راز دل عیاں آہ رسا کو کیا ہوا

کل تو بحد شکوہ تھیں عشق کی بدگمانیاں — اب نہ ندامتیں ہیں کیوں شکوہ سرا کو کیا ہوا

شاعر بزم عقل و ہوش ہاں کوئی نغمہ سروش — دل کی صدا ہے کیوں خموش دل کی صدا کو کیا ہوا

یوں تو ہزار نقش ہیں صفحۂ کائنات پر — اس کا پتہ نہیں مگر نقش وفا کو کیا ہوا

گم شدہ جمال ہوں دل ہی کے ساتھ اے شکیل
مجھ کو بھی لے کے کھو گیا راہنما کو کیا ہوا

بے خوف و بے خطرِ ستم بے پناہ سے — اکثر گزر گیا ہوں محبت کی راہ سے

سرگوشیاں ہیں بزم میں کچھ میری آہ سے — اب راز کھل نہ جائے کہیں اشتباہ سے

زاہد جنونِ سجدۂ پیہم غلط غلط — سجدہ وہی ہے سر نہ اٹھے سجدہ گاہ سے

اقبال جرمِ شوق نہ کرنا بھی جرم ہے — عذرِ گناہِ عشق ہے بدتر گناہ سے

دل ترکِ شوق کر نہ سکا اف یہ کیا ہوا — میری نگاہ مل گئی ان کی نگاہ سے

منزل کی دُھن میں منتِ رہبر تو ہو چکی
اب لیجیے مشورہ کسی گم کردہ راہ سے

کب تک شکیل دل کو دعا کیجیے گا آپ — بہتر یہی ہے ان کو بھلا دیجیے گا آپ

پھر تشنۂ جمال بنا دیجیے گا آپ — رخ سے نقاب الٹ کر گرا دیجیے گا آپ

دل کے عوض تو غم ہی دیا آپ نے مگر — اب جاں بھی نذر کر دوں تو کیا کیجیے گا آپ

ہوتا جبینِ حسن پہ گمنامیوں کا داغ — وہ تو مری نظر کو دعا کیجیے گا آپ

احساس ترکِ شوق بجا ہے مگر شکیل
مانگا جواب دل نے تو کیا دیجیے گا آپ

نیاز و ناز کی یہ شان زیبائی نہیں جاتی
ہماری خودسری، ان کی خودآرائی نہیں جاتی
ہزاروں آئینے ہو کر مقابل ٹوٹ جاتے ہیں
مگر حسنِ ازل کی شان یکتائی نہیں جاتی

کوئی دل کش نظارہ ہو کوئی دلچسپ منظر ہو
طبیعت خود بہل جاتی ہے بہلائی نہیں جاتی
محبت کی حقیقت کم نہیں اسرارِ ہستی سے
سمجھ لیتا ہوں لیکن مجھ سے سمجھائی نہیں جاتی
بظاہر ضبط ہیہم بھی شریکِ دردِ الفت ہے
شکیلؔ اس پر بھی اپنے دل کی رسوائی نہیں جاتی

⁂ ⁂ ⁂

جلوؤں کے تسلط سے مجھے ہوش نہیں ہے
پردہ تو یہی ہے کہ وہ روپوش نہیں ہے
گو حسن کی فطرت ہی وفا کوش نہیں ہے
اس پر بھی تو خالی کوئی آغوش نہیں ہے
اللہ رے محبت میں مری دیدہ دلیری
ہر جرم پہ کہتا ہوں مجھے ہوش نہیں ہے
کیا جانئے کیا سن کے چلا آیا ہے کوئی
اس طرح کہ آنچل بھی سر دوش نہیں ہے
الفت ہے شکیلؔ اب بھی تشنۂ شورش
بادہ ہے مگر بادۂ سرجوش نہیں ہے

⁂ ⁂ ⁂

سراپا آرزو بن کر تصور آشنا ہو کر
رہیں گے ہم انہیں کے روبرو ان سے جدا ہو کر
فروغِ جلوۂ حیرت اثر میں مبتلا ہو کر
میں ان کے روبرو آیا انہیں کا آئینہ ہو کر
نگاہوں کا نہ ملنا قلب کو محسوس ہوتا ہے
کسی کا تیر سیدھا دل پہ آتا ہے خطا ہو کر
ٹھہرنے ہی نہیں دیتا مذاقِ جستجو مجھ کو
گزر جاتا ہوں ہر منزل سے منزل آشنا ہو کر
رہِ عشق و وفا میں اختلافِ شوق کیا معنی
پہنچ جائے گی اک مرکز پہ دنیا جا بجا ہو کر

حریفانِ محبت سرنگوں کیوں ہیں سرِ محفل
اگر کچھ پاسِ غیرت ہے تو اٹھ جائیں خفا ہو کر

سرنگوں کرہی دیا ذوقِ جبیں سائی نے — نخوتِ عشق مٹا دی تری یکتائی نے
ہوش و ادراک سے بیگانہ بنا کر اک بار — کوئی کروٹ ہی نہ بدلی تری انگڑائی نے
بن گیا بے خودِ نظارہ بالفاظِ دگر — لاج رکھ لی ترے جلوؤں کی تماشائی نے
مختصر ایک تو ویسے ہی نہ تھی قیدِ حیات — اور میعاد بڑھا دی شبِ تنہائی نے
قدر ہونے لگی اربابِ محبت میں شکیلؔ
مجھ کو انسان بنایا مری رسوائی نے

افسردہ نہ ہو اے نگہ نازِ محبت — افشا ہوا جاتا ہے ہر اک رازِ محبت
چھیڑا جو لگا ہوں نے ذرا سازِ محبت — ہر ذرے سے آنے لگی آوازِ محبت
آگے ہے تعین کی حدوں سے بھی تخیل — ہوشیار ہو اے طاقتِ پروازِ محبت
دل مضطربِ شوق، نظر ساکت و خاموش — دیکھے تو کوئی حسن کے اندازِ محبت
وہ لاکھ فریبِ نگہ و دل سہی لیکن — آغازِ محبت ہے پھر آغازِ محبت
تخلیق شکیلؔ اس کی ہے بے مطلب و معنی
جس دل کو نہ ہو جستجوئے رازِ محبت

دل ہی سوزِ دروں سے جل جاتا — کوئی ارمان تو نکل جاتا

ہے جو سب کچھ تو دل نہیں لگتا — کچھ نہ ہوتا تو دل بہل جاتا
ہم خوشی سے جو تیرا غم سہتے — غم کا عنوان ہی بدل جاتا
جل گیا طور کیا کمال ہوا — بات جب تھی نقاب جل جاتا
جنبش یک نظر کی حسرت تھی — کوئی گرتا ہوا سنبھل جاتا
دل میں آکر وہ دیکھ تو لیتے — یہ بھی کیا طور تھا جل جاتا
تم نگاہیں چرا چرا لیتے ہو
رنگ محفل بدل بدل جاتا

⁘ ⁘ ⁘

اب تک ہے وہی عشق فسوں ساز کا عالم — جیسے کوئی گونجی ہوئی آواز کا عالم
رسوائی کا عالم ہے، کہیں راز کا عالم — دل کش ہے محبت کے ہر انداز کا عالم
احساس محبت کی قسم غور تو کیجیے — کیا پہلے بھی تھا نگاہ ناز کا عالم
جلوت میں سکوتِ دل پرشوق کی دنیا — خلوت میں خیالات کی پرواز کا عالم
اٹھنا تھی شکیل آنکھ نہ اٹھی سر محفل
دیکھا نہ گیا حسن خدا ساز کا عالم

⁘ ⁘ ⁘

یہ تو آساں ہے کہ عرض غم پنہاں ہو جائے
اور اگر اپنے کیے پر وہ پشیماں ہو جائے
نا مکمل ہے ابھی مرحلۂ رازِ وفا
دور کچھ اور منزلِ جاناں ہو جائے

میرے ارماں پہ ذرا سوچ سمجھ کے ہنسئے
میرا ارماں نہ کہیں آپ کا ارماں ہو جائے

زاہدانِ کفر کے جلوؤں کی قسم، تجھ کو معاف
تجھ سے سو بار اگر لغزشِ ایماں ہو جائے

لے تو آیا ہے مقدر سرِ ساحل مجھ کو
اب نہ ساحل بھی کہیں محرمِ طوفاں ہو جائے

اب تو آزادیٔ مجبورِ محبت ہے یہی
زندگی خوگرِ پابندیٔ زنداں ہو جائے

یہ بھی اک صورتِ تسکینِ محبت ہے شکیل
ورنہ دل اور محبت میں پریشاں ہو جائے

باعثِ ننگ محبت کی پذیرائی ہے
ان کو ہر گام پہ اندیشۂ رسوائی ہے

ہم بھی دیکھیں گے کہاں تک غمِ تنہائی ہے
ہم نے بھی ترکِ محبت کی قسم کھائی ہے

آپ رسوائی کے ڈر سے نہیں ملتے ہیں تو کیا
لیکن اب مل کے نہ ملنے میں بھی رسوائی ہے

جذبۂ عشق کہاں ہستیٔ موہوم کہاں
تیری نظروں کی یہ سب حوصلہ افزائی ہے

جی رہا ہوں نگاہ ناز کی جنبش پہ شکیل
زیست آئینۂ اعجازِ مسیحائی ہے

دل مرکزِ حجاب بنایا نہ جائے گا
ان سے کبھی رازِ عشق چھپایا نہ جائے گا

سر کو قدم قدم پہ جھکایا نہ جائے گا
ان کے نقوشِ پا کو مٹایا نہ جائے گا

بے وجہ انتظار دکھانے سے فائدہ
کہہ دیجیے کہ سامنے آیا نہ جائے گا

آنکھوں میں اشک، قلب پریشاں، نظر اداس
اس طرح ان کو چھوڑ کے جایا نہ جائے گا

وہ خود کہیں تو شرحِ محبت بیاں کروں
نغمہ بغیرِ ساز سنایا نہ جائے گا

بہتر یہی ہے ذکرِ محبت نہ چھیڑیے
نقشہ بگڑ گیا تو بنایا نہ جائے گا

دل کی طرف شکیل توجہ ضرور ہو
یہ گھر اجڑ گیا تو بسایا نہ جائے گا

پیہم تلاشِ دوست میں کرتا چلا گیا
کونین کی حدوں سے گزرتا چلا گیا

جتنا مذاقِ عشق سنورتا چلا گیا
رنگِ طبیعت اور نکھرتا چلا گیا

اس سنگ دل کی دیدہ دلیری تو دیکھنا
شکووں کا اعتراف بھی کرتا چلا گیا

بے چارگی تو دیکھیے مجبورِ شوق کی
تہمت مقدرات پہ دھرتا چلا گیا

دیتے رہے فریبِ مسرت وہ پے بہ پے
میں غم کی منزلوں سے گزرتا چلا گیا

تصویرِ یاس و غم تھی بظاہر نہاں مگر
ہر نقش دل ہی دل میں ابھرتا چلا گیا

دل محوِ اضطراب، نظر ساکت و خموش
یہ کون سامنے سے گزرتا چلا گیا

یوں انبساطِ شادی و غم دیکھتے رہے
ان کی جفا بہ رنگِ کرم دیکھتے رہے

عظمت یہ اپنی عشق میں ہم دیکھتے رہے
عالم تمام زیرِ قدم دیکھتے رہے

کچھ اختلافِ شیخ و برہمن پہ کی نظر
کچھ ماورائے دیر و حرم دیکھتے رہے

تھا جاذبِ نگاہ کچھ اس درجہ حسنِ یار
اٹھ بھی گئے وہ بزم سے ہم دیکھتے رہے

تصویرِ عشق آئینۂ حسن بن گئی
سارا جہاں ہمیں، انہیں ہم دیکھتے رہے

لطفِ نشاطِ صبح ذرا ان سے پوچھئے
پیہم جو رنگِ شامِ الم دیکھتے رہے

خودداریوں نے سر نہ جھکانے دیا شکیل
حسرت سے ان کا نقشِ قدم دیکھتے رہے

دل میں کسی خلش کا گزر چاہتا ہوں میں
جیسی کبھی ہو بس ایک نظر چاہتا ہوں میں

خم ہو کے پھر نہ اٹھے وہ سر چاہتا ہوں میں
اٹھ کر جو خم نہ ہو وہ نظر چاہتا ہوں میں

ہوتے ہی تذکرہ کوئی آجائے روبرو
اتنا بلند ذوقِ نظر چاہتا ہوں میں

میرا سکونِ شوق ہے سب کچھ میرے لیے
نالوں کو بے نیازِ اثر چاہتا ہوں میں

کیا پوچھتے ہو مقصدِ اظہارِ آرزو
شرحِ وفا پہ نقد و نظر چاہتا ہوں میں

پیہم غمِ فراق سے گھبرا گیا ہے دل
کچھ امتیازِ شام و سحر چاہتا ہوں میں

جی چاہتا ہے آگ لگا دوں نقاب میں
جلوؤں سے انتقامِ نظر چاہتا ہوں میں

محتاجِ راہبر ہوں جہاں خضر تک شکیل
ایسی بھی کوئی رہ گزر چاہتا ہوں میں

بدمست ہو کے اے نگہِ ناز دیکھنا
پھر میری لغزشوں کا بھی انداز دیکھنا

ترک نیاز شوق کا اعجاز دیکھنا — سونی پڑی ہے، انجمنِ ناز دیکھنا

سوز و گداز نغمہ بے ساز دیکھنا — سارا جہاں ہے گوش بر آواز دیکھنا

ان کی حریم ناز کے پردوں کو چھو لیا — میری نظر کی جرأتِ آغاز دیکھنا

خود بن گیا پیام سکوں جوشِ اضطراب — گھبرا کے کس نے دی مجھے آواز دیکھنا

یوں دیکھتی ہے جیسے نہیں دیکھتی نظر — ظالم کے دیکھنے کے یہ انداز دیکھنا

بت خانۂ جمال میں آئے تو ہو شکیل
آساں نہیں ہے حسن خداداد دیکھنا
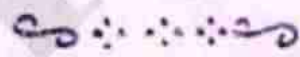
عکس جمال یار ہوا جا رہا ہوں میں — سر تا قدم بہار ہوا جا رہا ہوں میں

خود حسن خود بہار ہوا جا رہا ہوں میں — فطرت کا شاہکار ہوا جا رہا ہوں میں

جتنا وہ دے رہے ہیں پیام سکوں مجھے — اتنا ہی بے قرار ہوا جا رہا ہوں میں

تیرا جمال تیری محبت، تیری نظر — لیکن قصوروار ہوا جا رہا ہوں میں

وہ کہہ رہے ہیں قصہ بینائی فراق — سن سن کے بیقرار ہوا جا رہا ہوں میں

بن کر شکیل راز سراپائے حسن دوست
عالم پہ آشکارا ہوا جا رہا ہوں میں

شکوے ترے حضور کیے جا رہا ہوں میں — جو کچھ بھی قصور کیے جا رہا ہوں میں

وہم تعینات کا انجام دیکھنا — نزدیکیوں کو دور کیے جا رہا ہوں میں

محوِ طوافِ کوچہ ہستی ہیں رحمتیں — شاید کوئی قصور کیے جا رہا ہوں میں

رکھی ہوئی ہے سنگِ درِ یار پر جبیں — اس عجز پر غرور کیے جا رہا ہوں میں
ندرِ نگاہِ ناز ہیں دل کی نزاکتیں — شیشے کو چور چور کیے جا رہا ہوں میں
ربطِ نیاز و ناز کا عالم تو دیکھنا — نادم ہیں وہ، قصور کیے جا رہا ہوں میں

سوچا کبھی نہ حضرتِ واعظ نے یہ شکیلؔ
رندوں میں ذکرِ حور کیے جا رہا ہوں میں

نظارۂ جمال سے جنت ہے زندگی — وہ روبرو نہیں تو قیامت ہے زندگی
ہر چند ایک زندہ حقیقت ہے زندگی — لیکن بس اک نگاہ کی قیمت ہے زندگی
جب چاہے پھونک دے مری ہستی کا آشیاں — اک برقِ بے اماں کی امانت ہے زندگی
تمنا روا، نگاہ جھکانا نہیں قبول — بیگانۂ فریبِ ندامت ہے زندگی
کتنی لطیف، کتنی حسیں، کتنی مختصر — اک نوشگفتہ پھول نکہت ہے زندگی

ان کے خیال ان کی تمنا میں مست ہوں
میرے لیے شکیلؔ عبادت ہے زندگی

ہم ہیں اور ان کی خوشی ہے آج کل — زندگی ہی زندگی ہے آج کل
غم کا ہر عالم نیا ہے ان دنوں — دل کی ہر دنیا نئی ہے آج کل
ان کا ذکر، ان کی تمنا، ان کی یاد — وقت کتنا قیمتی ہے آج کل
چاند بھی ہے سوگوارِ ہجرِ دوست — پھیکی پھیکی چاندنی ہے آج کل
جل رہی ہے دل میں شمعِ آرزو — غم کدے میں روشنی ہے آج کل

تو ہے اور دریا دلی ہے ساقیا — میں ہوں اور تشنہ لبی ہے آج کل
بے قراری، کروٹوں پر کروٹیں — دل کا عالم دیدنی ہے آج کل
غرض غم پر مسکرانے بھی نہیں — برہمی سی برہمی ہے آج کل
حاصل ترکِ محبت دیکھنا — انجمن سونی پڑی ہے آج کل

دل میں اور مایوسیوں میں اے شکیل
اتحادِ باہمی ہے آج کل

وارفتگی میں جنسِ محبت خرید لی — لطفِ سکوں مٹا کے قیامت خرید لی
واعظ نہ پوچھ حاصلِ ترغیبِ میکشی — اک جام کے عوض تری جنت خرید لی
دل کو نگاہ ناز نے اپنا بنا لیا — کچھ شوخیوں نے مل کے متانت خرید لی
یوں کر رہے ہیں شرح محبت پہ تبصرہ — جیسے ہمیں نے جنس محبت خرید لی

چار آنسوؤں میں وہ کشش و جذب کہاں
لیکن گناہگار نے رحمت خرید لی

خوشا وہ دور کہ جب فکر روزگار نہ تھی — نزاکتِ غم دل زندگی پہ بار نہ تھی
ہر ایک لمحہ تھا آسودۂ سکون حیات — ملی تھی ایسی طبیعت جو بے قرار نہ تھی
قریب تر تھا ہر اک مدعا بقدر طلب — نگاہ واقفِ تکلیفِ انتظار نہ تھی
دل شگفتہ و نازک تھا فطرتاً آزاد — ہزار شغل تھے فکرِ مآل کار نہ تھی
فلک کے جور مسلسل پہ اعتماد نہ تھا — زمین کی گردش پیہم کبھی ناگوار نہ تھی

نگاہِ شاہدِ گلشن ضرور تھی لیکن
فریب خوردۂ رنگینیٔ بہار نہ تھی

ہر ایک شے پہ تصرف تھا دیدہ و دل کا
جہاں میں کشمکشِ جبر و اختیار نہ تھی

جنونِ مشغلۂ آشیانہ سازی تھا
عیاں گرفتگیٔ برقِ شعلہ بار نہ تھی

نہ درد و غم، نہ شکایت، نہ اضطراب و جنوں
محبتیں تھیں مگر کوئی یادگار نہ تھی

کبھی یہ حال کہ خلوت میں جی نہ لگتا تھا
کبھی یہ رنگ کہ محفل بھی سازگار نہ تھی

حیاتِ عشرتِ ماضی ارے معاذ اللہ
بجا کہوں تو عمارت ہی پائدار نہ تھی

غرض تمام ہوئی اب وہ داستانِ حیات
حسین خواب سے بڑھ کر جو کامگار نہ تھی

شکیل آہ یہ عالم ہے اب تو ہستی کا
کہ جیسے اپنے چمن میں کبھی بہار نہ تھی

موسمِ خوشگوار کی راتیں
آگئیں پھر بہار کی راتیں

کیف کی صبح، انبساط کی شام
حسن کے دن نکھار کی راتیں

آہ یہ فصلِ گل یہ رعنائی
اور یہ انتظار کی راتیں

میرے دل سے نہ پوچھیے کیا ہیں
بزمِ ناسازگار کی راتیں

کالی کالی مہیب وحشت ناک
جیسے اک سوگوار کی راتیں

دیکھتی ہیں گھٹائیں ساون کی
دیدۂ اشکبار کی راتیں

بجلیاں بھی ہیں دیکھ کر لرزاں
اُف دلِ بے قرار کی راتیں

آہ ایسے میں یاد آتی ہیں
وہ سکون و قرار کی راتیں

وہ حیات آفریں نظر افروز
جلوۂ حسنِ یار کی راتیں

وہ مسرت و انبساط کے دن — وہ محبت وہ پیار کی راتیں
نغمہ ریز و معطر و مخمور — جیسے اک بادہ خوار کی راتیں
گہرا گہرا وہ رنگِ چشم سیاہ — ہلکے ہلکے خمار کی راتیں
اوج ناز و نیاز کا عالم — عظمت و اقتدار کی راتیں
ہائے وہ حسن و عشق کی چھیڑیں — اف وہ قول و قرار کی راتیں
روٹھنا پھر وہ خود ہی من جانا — نخوت و انکسار کی راتیں
باہمی وہ نباہ کے دعوے — وعدہ و اعتبار کی باتیں
دائمی کیف و حسن کے لمحے — جاودانی بہار کی راتیں
گزری جاتی تھی آنکھوں میں — جیسے شب زندہ دار کی راتیں
اب وہ ہنگامۂ نشاط کہاں — مٹ گئیں وہ خمار کی راتیں
ہو گئیں اختیار سے باہر — قبضہ و اختیار کی راتیں

یاد ایام زلیست لے کے شکیل
آگئیں پھر بہار کی راتیں

عبرت آموزِ محبت یوں ہوا جاتا ہے دل — دیکھتی جاتی ہے دنیا ٹوٹتا جاتا ہے دل
شاہد نظارۂ عالم ہوا جاتا ہے دل — آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے، دیکھتا جاتا ہے دل
حضرت ناصح بجا ترغیب خودداری مگر — اس طریقے سے کہیں قابو میں آجاتا ہے دل
حشر تک وہ اپنی دنیا کو لیے بیٹھے رہے — لیجیے اب ان کی دنیا سے ہٹا جاتا ہے دل
اور کیا ہوتی بنائے عالم دیوانگی — جب فزوں ہوتا ہے غم آنکھیں چرا جاتا ہے دل

آہ کرتا ہوں تو ہے اندیشۂ تشہیرِ غم
ضبط کرتا ہوں تو بے قابو ہوا جاتا ہے دل

ہے ازل سے مرکزِ بربادیٔ کامل شکیل
ہائے جس شے کو محبت میں کہا جاتا ہے دل

ــــ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ــــ

آ گئیں ہیں رحمتیں پھر جوش میں
ہوش میں ہیں اے پینے والے ہوش میں

کیا اثر تھا جذبۂ خاموش میں
خود وہ کھنچ کر آ گئے آغوش میں

سارا عالم ہائے بادہ نوش پر
ایک ساغر دست بادہ نوش میں

اب تک اک دلکش صدائے بازگشت
گونجتی ہے پردہ ہائے گوش میں

پھر بہار آئی نئے انداز سے
اے جنون فتنہ ساماں ہوش میں

رہ گئی اک مسکراہٹ سی شکیل
جذب ہو کر اس لبِ خاموش میں

ــــ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ــــ

منزل کی دھن میں ہوش و خبر سے گزر گئے
سو بار تیری راہ گزر سے گزر گئے

جو امتیاز شام و سحر سے گزر گئے
ایسے بھی کچھ زمانے نظر سے گزر گئے

اپنی تو اب تمام ہوئی کائناتِ غم
دو اشک تھے سو دیدۂ تر سے گزر گئے

رخ پر کسی کے ہائے وہ رنگِ سکوتِ غم
نالے حدودِ جذب و اثر سے گزر گئے

با وصف شوق ان کو نظر تو نہ پا سکی
لیکن وہ ہر مقام نظر سے گزر گئے

ہر چند فرشِ راہ تھی ان کے لیے نگاہ
پھر بھی خبر نہیں وہ کدھر سے گزر گئے

مدت کے بعد سامنے آئے تھے وہ مگر
رسوائی جمال کے ڈر سے گزر گئے

کیا پوچھتے ہو لطف ہجوم نظر شکیلؔ
کچھ تیر تھے جو قلب و جگر سے گزر گئے

راز الفت عیاں ہے کیا کہیئے ہر نظر خود زباں ہے کیا کہیئے
موت کیا زندگی کی اک کروٹ زندگی جاوداں ہے کیا کہیئے
ایک دل اور ہزار تنقیدیں اپنی اپنی زباں ہے کیا کہیئے
چل پڑے جس طرف قدم اٹھے اپنی منزل کہاں ہے کیا کہیئے
عشق ناکامیاب ہو نہ سکا سعیٔ غم رائیگاں ہے کیا کہیئے

اک نظر کا تری جواب نہیں
دل بہت ناتواں ہے کیا کہیئے

شکوۂ اضطراب کون کرے اپنی دنیا خراب کون کرے
گن تو لیتے ہیں انگلیوں پہ گناہ رحمتوں کا حساب کون کرے
عشق کی تلخ کامیوں کے نثار زندگی کامیاب کون کرے
دعوتِ میکشی ان آنکھوں سے جرأت اضطراب کون کرے
دل کا آئینہ سامنے لاکر تجھ کو تیرا جواب کون کرے
ہم سے میکش جو توبہ کر بیٹھیں پھر یہ کارِ ثواب کون کرے

غرق جام و شراب ہو کے شکیلؔ
شغلِ جام و شراب کون کرے

مجھ سے خفا خفا بھی ہیں اور غم ہجر بھی بھی ہے
موت کے ساتھ ساتھ ہی دعوتِ زندگی بھی ہے

مست شراب عشق ہوں اوج پہ تشنگی بھی ہے
وہ میرے سامنے بھی ہیں آنکھ انہیں ڈھونڈتی بھی ہے

مست ہے خوف و عار کیا صدمۂ روزگار کیا
موت کا انتظار کیا موت ہی زندگی بھی ہے

شکوہ جور حسن کیوں صدمۂ درد ہجر کیا
دل ہے تو دل لگی بھی ہے، غم ہے تو زندگی بھی ہے

کیفِ شب بہار بھی، جلوۂ حسن یار بھی
چاند کو چاند کیا کہیں چاند میں روشنی بھی ہے

لوگ یہ کہہ اٹھے تمام سن کے شکیلؔ کا کلام
نغمہ نوازیاں بھی ہیں شعر میں پختگی بھی ہے
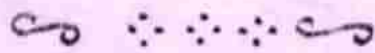
پھر اٹھی دل میں اک موجِ شباب آہستہ آہستہ
کچھ آیا زندگی میں انقلاب آہستہ آہستہ

سوا کر مجھ میں وہ جانِ شباب آہستہ آہستہ
بنا دے گا مجھے اپنا جواب آہستہ آہستہ

یہ محفل زاہدانِ خشک کی محفل ہے اے رندو
ذرا اس بزم میں ذکرِ شراب آہستہ آہستہ

مری نظریں مجھی کو رفتہ رفتہ بھولے جاتی ہیں
ہوئے جاتے ہیں جلوے کامیاب آہستہ آہستہ

نہ کہیے ہاں نہ کہیے آپ کو مجھ سے محبت ہے
نگاہیں خود ہی دے دیں گی جواب آہستہ آہستہ

شکیلؔ اس درجہ مایوسی شروعِ عشق میں کیسی
ابھی تو اور ہونا ہے خراب آہستہ آہستہ

الٰہی کیا یہی ہے حاصلِ تفریحِ انسانی
جدھر دیکھو پریشانی، پریشانی، پریشانی

جوانی کیا محبت کی یکایک شعلہ افشانی
محبت کیا ہے بس اک کافرِ نظر کی سحر کہانی

بس اک انکے نہ ہونے سے یہ بربادی یہ ویرانی
کسی نے لوٹ لی جیسے بہارِ بزمِ امکانی

تصور ہے کہ اک شہرِ طلسمات بیابانی
نہ ہنگامہ نہ خاموشی نہ آبادی نہ ویرانی

مجھے سمجھا نہ اے ناصح کہ سمجھا چکا ہوں میں
اگر اس پر بھی ظالم تو نہ سمجھے تیری نادانی

جو سچ پوچھو حقیقت میں وہی دل ہے کہ ہو جس میں
قیامت خیز جذباتِ محبت کی فراوانی

رنگِ صنم کدہ جو ذرا یاد آگیا
ٹوٹیں وہ بجلیاں کہ خدا یاد آگیا

ہر چند دل کو ترکِ محبت کا تھا خیال
لیکن کسی کا عہدِ وفا یاد آگیا

جیسے کسی نے چھین لی رنگینئی بہار
کیا جانئے بہاریں کیا یاد آگیا

رحمت نظر بچا کے نکلنے کو تھی مگر
وہ ارتعاشِ دستِ دعا یاد آگیا

اللہ رے ستم کہ انہیں مجھ کو دیکھ کر
سب کچھ محبتوں کے سوا یاد آگیا

قیدِ نفس میں مژدۂ فصلِ بہار کیا
اڑتی ہوئی خبر ہے کریں اعتبار کیا

مایوس زندگی، الم روزگار کیا
جینا تو خود ہی موت ہے جینے سے عار کیا

پنہاں ہیں قہقہوں میں صدائے شکستِ دل
دنیا اسی کا نام ہے پروردگار کیا

آئینۂ جمال ہے دنیائے رنگ و بو
آغوش کائنات ہے آغوشِ یار کیا

وعدے، اور اعتبار میں ہے ربط باہمی　　اس ربطِ باہمی کا مگر اعتبار کیا

زخم نگاہِ ناز سلامت رہے شکیلؔ
سو بار مسکرائیں گے ہم ایک بار کیا

⁂ ⁂ ⁂

ہم ان کی انجمن کا سماں بن کے رہ گئے　　سرتا قدم نگاہ و زباں بن کے رہ گئے

پلٹے مقدرات کچھ اس طور سے کہ ہم　　تصویرِ انقلابِ جہاں بن کے رہ گئے

کیا دل نہ بن سکے گا نری اک نگاہ سے　　جب دم زدن میں کون و مکاں بن کے رہ گئے

مظلوم دل کی تلخ نوائی تو دیکھنا　　نغمے جو لب تک آئے فغاں بن کے رہ گئے

کرتے ہم ان سے رازِ محبت پہ گفتگو　　لیکن وہ خود ہی رازِ نہاں بن کے رہ گئے

اب ہم ہیں اور حقیقتِ آلام اے شکیلؔ
لمحے خوشی کے خوابِ گراں بن کے رہ گئے

⁂ ⁂ ⁂

جز نغمۂ ربابِ وفا اور کچھ نہیں　　ظالم شکستِ دل کی صدا اور کچھ نہیں

لذت یہی، سرور یہی، زندگی یہی　　دل میں ہجومِ غم کے سوا اور کچھ نہیں

پس منظرِ چمن کو ذرا غور سے تو دیکھ　　جز رنگ و بو، بہار میں کیا اور کچھ نہیں

آئینۂ جمالِ حقیقت ہے کائنات　　سب کچھ وہی ہیں ان کے سوا اور کچھ نہیں

پاکیزگیٔ حسنِ خیالات کی قسم　　سب کچھ ہے عاشقی میں روا اور کچھ نہیں

یوں دیکھتا ہوں جلوۂ نقش و نگارِ دہر　　جیسے نظر میں ان کے سوا اور کچھ نہیں

اب ہم ہیں اور میکدۂ حسن اے شکیلؔ
شغل اپنا میکشی کے سوا اور کچھ نہیں

قصر ویران ہوا جاتا ہے — دل پریشان ہوا جاتا ہے
حرم و دیر کے جلووں کی قسم — کفر ایمان ہوا جاتا ہے
تابِ نظارہ الٰہی توبہ — جلوہ حیران ہوا جاتا ہے
نالہ آغوشِ اثر تک آکر — خود پشیمان ہوا جاتا ہے
بے پیے شیخ فرشتہ تھا مگر — پی کے انسان ہوا جاتا ہے
دل ہے آمادۂ تکمیلِ نشاط — غم کا سامان ہوا جاتا ہے
کچھ نہیں ہستیٔ پروانہ مگر — بزم کی جان ہوا جاتا ہے
اللہ اللہ کہ انہیں کا پرتو — ان پہ قربان ہوا جاتا ہے

ہر ورق شرحِ محبت کا شکیل
اپنا دیوان ہوا جاتا ہے

***

کام آہی جائے گی سعیٔ رائیگاں اک دن — خود جبیں کو ترسے گا سنگِ آستاں اک دن
وہ نہیں تو ان کا غم دل میں جاگزیں ہوگا — زندگی میں ہونا ہے یوں بھی شادماں اک دن
دل تجھے مبارک ہو تیرا زعمِ خودداری — اور اگر وہ آجائیں شکوہ بر زباں اک دن
حسن و عشق کی منزل اور ہم ارے توبہ — کچھ یوں ہی سی تھا دیکھی تھی گردِ کارواں اک دن

اب کسی سے کیا پوچھیں غم کی انتہا کیا ہے
خود جواب دے گا قلبِ ناتواں اک دن

***

دل لذتِ نگاہِ کرم پاکے رہ گیا — کتنا حسین خواب نظر آکے رہ گیا

لب تک شکایتِ غمِ دل لا کے رہ گیا
ان کی ملامتوں پہ میں شرما کے رہ گیا

میرے دلِ تباہ کا عالم نہ پوچھیے
اک پھول تھا جو کھلتے ہی مرجھا کے رہ گیا

منزل سے دور رہروِ منزل تھا مطمئن
منزل قریب آئی تو گھبرا کے رہ گیا

شوریدگیٔ نالۂ گستاخ کیا کہوں
اس قلبِ نازنیں کو بھی تڑپا کے رہ گیا

بیگانہ وار جب وہ گزرتے چلے گئے
کچھ بے قرار دل مجھے سمجھا کے رہ گیا

ان کے حضور لب تو مکرر نہ کھل سکے
رودادِ غم نگاہ سے دہرا کے رہ گیا

یوں ختم داستانِ محبت ہوئی شکیل
جیسے کوئی حسین غزل گا کے رہ گیا

کشمکشِ حیات کو جذبِ حیات پا کے ہم
ہر غمِ بے پناہ پر رہ گئے مسکرا کے ہم

جذب انہیں میں ہو گئے ان کے حضور جا کے ہم
اپنی نظر سے ہم کھو گئے ان سے نظر ملا کے ہم

رہ گئے تشنہ کام ہی تشنہ لبی مٹا کے ہم
دیکھ تو ہم کو ساقیا رند ہیں کس بلا کے ہم

غم ہی سکوں نواز تھا غم ہی خوشی کا راز تھا
آہ کہ خوش نہ رہ سکے غم سے نجات پا کے ہم

اس نے مزاجِ یار کو زحمتِ برہم نہ دی
شکر گزار کیوں نہ ہوں نالۂ نارسا کے ہم

تازہ بہ تازہ نو بہ نو اف وہ فریب کاریاں
بیٹھ سکے نہ مطمئن حسن کو آزما کے ہم

زندگی ان کی چاہ میں گزری
مستقل درد و آہ میں گزری

رحمتوں سے نباہ میں گزری
عمر ساری گناہ میں گزری

ہائے وہ زندگی کی اک ساعت — جو تری بارگاہ میں گزری
سب کی نظروں میں سربلند رہے — جب تک ان کی نگاہ میں گزری
بس وہ اک رہروِ نجست ہوں — جس کی منزل بھی راہ میں گزری
اک خوشی ہم نے دل سے چاہی تھی — وہ بھی غم کی پناہ میں گزری

زندگی اپنی اے شکیل اب تک
تلخیٔ رسم و راہ سے گزری

عالم نہ پوچھیئے جو ہمارا ہے آج کل — کشتی بھنور میں دور کنارا ہے آج کل
تیرے ہی غم کا دل کو سہارا ہے آج کل — بے کیف زندگی بھی گوارا ہے آج کل
اللہ رے انقلاب کہ اک بادہ خوار کا — دو چار آنسوؤں پہ گزارا ہے آج کل
وہ دورِ ماہتاب یہ رنگ شب بہار — فطرت نے گیسوؤں کو سنوارا ہے آج کل
اک بار کہہ کے پھر یہ زباں سے نہ کہہ سکے — ہم جس کے ہو گئے وہ ہمارا ہے آج کل

باقی رہا تھا زندہ دلوں میں بس ایک شکیل
وہ بھی غمِ فراق کا مارا ہے آج کل
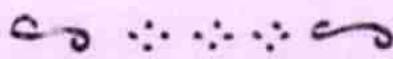
طوفِ حرم نہ دیر کی گہرائیوں میں ہے — جو لطف ان کے در کی جبیں سائیوں میں ہے
حیرت نگاہِ شوق کی پسپائیوں میں ہے — جلوہ بذاتِ خود ہی تماشائیوں میں ہے
ظاہر یہ کر رہی ہیں شب غم کی نزہتیں — کوئی چھپا ہوا مری تنہائیوں میں ہے
دنیائے رنگ و بو سے گزر کر پتہ چلا — پوشیدہ کوئی روح کی گہرائیوں میں ہے

پاتا ہوں ان کو ہر نفس اضطراب میں — موجِ سکوں کبھی دور کی انگڑائیوں میں ہے
میرا جنون شوق ہی کیوں ہو قصوردار — شامل تری نگاہ بھی رسوائیوں میں ہے
اے شمع پُر غرور ذرا غور سے تو دیکھ — یہ کس کی روشنی تری پرچھائیوں میں ہے

اس کے لیے شکیل خزاں کیا بہار کیا
ڈوبا ہوا جو حسن کی رعنائیوں میں ہے

⁂ ⁂ ⁂

منظر کوئی فردوسِ نظر ڈھونڈ رہا ہوں — تاروں کے تبسم میں سحر ڈھونڈ رہا ہوں
ہر گوشۂ جنت آغوش نظر ڈھونڈ رہا ہوں — تو یہ وہ کہاں ہیں میں کدھر ڈھونڈ رہا ہوں
ہر گام پہ ہے خواہشِ تکمیل محبت — منزل کو سرِ راہ گزر ڈھونڈ رہا ہوں
ہر لحظہ انہیں ڈھونڈتی پھرتی ہیں نگاہیں — میں خود کو بہ انداز دگر ڈھونڈ رہا ہوں
گو رفعت کونین نگاہوں سے ہے پامال — لیکن حدِ پرواز نظر ڈھونڈ رہا ہوں
بیتابیٔ دل سے مجھے امید سکوں ہے — ناکام دعاؤں میں اثر ڈھونڈ رہا ہوں

اب تک وہی عالم ہے شکیل اپنے جنوں کا
صحرا میں ہوں لیکن گلِ تر ڈھونڈ رہا ہوں

⁂ ⁂ ⁂

جو ہے رائیگاں تری جستجو، یہ مری نظر کی خطا نہیں
میں وہ گم درِ راہِ مجاز ہوں جسے خود ہی اپنا پتہ نہیں
یہ نہیں کہ بابِ حریم سے جو طلب کیا وہ ملا نہیں
مگر اتنی بات ضرور ہے کہ اثر بقدرِ دعا نہیں

میں قریب مرگ سے دور ہوں کہ ترا ہی پرتو نور ہوں
مری عمر دوام ہے مجھے اعتقادِ فنا نہیں
قسم ارتکاب گناہ کی، قسم التفات نگاہ کی
وہ نہ مرتبہ کوئی پا سکا جو تری نظر سے گرا نہیں
وہی ایک سجدہ ہے کارگر جو ہو فکرِ ہوش سے ماورا
وہ ہزار سجدے فضول ہیں جو رہین لغزش پا نہیں
میں شکیل دل کا ہوں ترجمان کہ محبتوں کا ہوں رازداں
مجھے فخر ہے مری شاعری مری زندگی سے جدا نہیں

لطیف پردوں سے تھے نمایاں مکیں کے جلوے مکاں سے پہلے
محبت آئینہ ہو چکی تھی، وجود بزم جہاں سے پہلے
نہ وہ مرے دل سے باخبر تھے نہ ان کو احساس آرزو تھا
مگر نظام وفا تھا قایم کشود راز نہاں سے پہلے
ہر ایک عنوان دردِ فرقت ہے ابتدا شرح مدعا کی
کوئی بتائے کہ یہ فسانہ سنائیں ان کو کہاں سے پہلے
مسرتیں رازدار غم تھیں مسرتوں میں الم تھا پنہاں
جبھی تو صحن چمن میں شاید بہار آئی وقت سے پہلے
سمجھ رہا تھا کہ ناامیدی نہ پردہ دار امید ہوگی
نظر اٹھا کر جو میں نے دیکھا غبار تھا کارواں سے پہلے

اٹھا جو مینا بدست ساقی رہی نہ کچھ تابِ ضبط باقی
تمام میکش پکار اٹھے، یہاں سے پہلے، یہاں سے پہلے

قسم فریبِ نگاہ و دل کی ہمیں تو اس جستجو نے کھویا
وہیں تھی دراصل اپنی منزل قدم اٹھے تھے جہاں سے پہلے

ازل سے شاید لکھے ہوئے تھے شکیلؔ قسمت میں جورِ پیہم
کھلی جو آنکھیں اس انجمن میں نظر ملی آسماں سے پہلے

⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘

غمِ عاشقی کے نظام اور بھی ہیں
نظر کے سوا برقِ دوام اور بھی ہیں

جہاں نو بہ نو صبح و شام اور بھی ہیں
محبت میں ایسے مقام اور بھی ہیں

ذرا صبر کر لے حیاتِ دو روزہ
ابھی مجھ کو دنیا میں کام اور بھی ہیں

فریبِ وفا پہ ہی کیا منحصر ہے
مری ذات پر اتہام اور بھی ہیں

مجھی کو نہ ڈھونڈ انقلابِ زمانہ
طلبگارِ عیشِ دوام اور بھی ہیں

سکوتِ لبِ نامہ بر سے ہے ظاہر
ابھی زیرِ لب کچھ پیام اور بھی ہیں

محبت کا لفظ ان کے منہ سے نہ نکلا
یقیناً محبت کے نام اور بھی ہیں

شکیلؔ اپنے دل کی تباہی کا کیا غم
فسانے ابھی ناتمام اور بھی ہیں

⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘

نگاہِ ناز کا ایک وار کر کے چھوڑ دیا
دلِ حریف کو بیدار کر کے چھوڑ دیا

ہوئی تو یوں ہوئی تجدیدِ عہدِ لطف و کرم
دبی زباں سے اقرار کر کے چھوڑ دیا

چھپے کچھ ایسے کہ نا زیست پھر نہ آئے نظر رہین حسرت دیدار کر کے چھوڑ دیا

مجھے تو قید محبت عزیز تھی لیکن کسی نے مجھ کو گرفتار کر کے چھوڑ دیا

نظر کو جرأت تکمیل بندگی نہ ہوئی طواف کوچۂ دلدار کر کے چھوڑ دیا

خوشا وہ کشمکشِ ربط باہمی جس نے دل و دماغ کو بیکار کر کے چھوڑ دیا

زہے نصیب کہ دنیا میں تیرے غم نے مجھے مسرتوں کا طلب گار کر کے چھوڑ دیا

کرم کی آس میں اب کس کے در پہ جائے شکیلؔ
جب آپ ہی نے گنہ گار کر کے چھوڑ دیا

شاید آغاز ہوا پھر کسی افسانے کا حکم آدم کو ہے جنت سے نکل جانے کا

ان سے کچھ کہہ تو رہا ہوں مگر اللہ کرے وہ بھی مفہوم نہ سمجھیں مرے افسانے کا

دیکھنا دیکھنا یہ حضرت واعظ ہی نہ ہوں راستہ پوچھ رہا ہے کوئی میخانے کا

بے تعلق ترے آگے سے گزر جاتا ہے یہ بھی اک حسن طلب ہے ترے دیوانے کا

حشر تک گرمیٔ ہنگامۂ ہستی ہے شکیلؔ
سلسلہ ختم نہ ہوگا مرے افسانے کا

جفاؤں پر ملال آتا تو ہوگا انہیں میرا خیال آتا تو ہوگا

چھلکتے ہوں گے جب آنکھوں میں آنسو وہ دورِ انفعال آتا تو ہوگا

سرِ بزمِ تصور شکوہ بر لب کوئی آشفتہ حال آتا تو ہوگا

شبِ فرقت کی تنہائی میں اکثر مسرت پر زوال آتا تو ہوگا

نغمہ بن کے اکثر ان کے دل میں محبت کا سوال آتا تو ہوگا

وہ پا تو لیتے ہوں گے دل پر قابو

انہیں یہ بھی کمال آتا تو ہوگا

ـــ ـ۔ ـ۔ ـ۔ ـ۔ ـــ

لمحہ لمحہ بار ہے تیرے بغیر زندگی دشوار ہے تیرے بغیر

دل کی بے تابی کا عالم کیا کہوں ہر نفس تلوار ہے تیرے بغیر

مجمعِ احباب دار بابِ وفا مجمعِ اغیار ہے تیرے بغیر

تجھ سے برہم ہوں کبھی خود سے خفا کچھ عجب رفتار ہے تیرے بغیر

زندگی سے موت اک اک گام پر بر سرِ پیکار ہے تیرے بغیر

عالمِ فرقت میں ذکرِ خواب کیا نیند خود بیدار ہے تیرے بغیر

شامِ غم کروٹ بدلتا ہی نہیں وقت بھی خود دار ہے تیرے بغیر

آ مسیحا آ کہ اب تیرا شکیلؔ

جان سے بیزار ہے تیرے بغیر

ـــ ـ۔ ـ۔ ـ۔ ـــ

ہر نفس عزمِ خطا کوششِ بر دئے کار تھا سچ تو یہ ہے آدمی بننا بہت دشوار تھا

دل کو کیا کہئے حریفِ برقِ حسنِ یار تھا جس کو ہم مجبور سمجھے تھے وہی مختار تھا

لاؤ مرتے دم خدا کا نام لیکر پی ہی لوں ورنہ لوگ الزام رکھ دیں گے کہ دنیا دار تھا

زندگی میں خیر کی اک وہ بھی منزل تھی جہاں حسنِ پابندِ محبت عشق خود مختار تھا

ناز سے آئے تصور میں وہ جب بادش بخیر حسرتِ دل سو رہی تھی دردِ دل بیدار تھا

ہائے وہ عالم جنونِ بے خودی کا اے شکیلؔ
قلبِ نازک پر جب احساسِ محبت بار تھا

ــ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ــ

وہ دل میں رہتے ہیں دل کا نشاں نہیں معلوم
مکیں ڈھونڈھ رہا ہوں مکاں نہیں معلوم

سکوں سا پانے لگا ہوں غمِ محبت میں
کہاں گئیں میری بیتا بیاں نہیں معلوم

مسرّتوں کا تو سطحی مطالعہ ہے مگر
غمِ حیات کی گہرائیاں نہیں معلوم

فغاں نصیب کی وارفتگی ارے توبہ
فغاں نصیب کو وجہِ فغاں نہیں معلوم

چمن کی فکر بھی کر آشیاں کی فکر کے ساتھ
کدھر کو ٹوٹ پڑیں بجلیاں نہیں معلوم

وفا شعار تہی دست آئے منزل پر
کہاں کہاں پہ لٹا کارواں نہیں معلوم

شکیلؔ آئینہ ہے دورِ انقلاب مگر
مآلِ قسمتِ ہندوستاں نہیں معلوم

ــ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ــ

ذکر جفا کیے بغیر اب نہ قرار آئے گا
جا کے منا ہی لیں گے ہم جب کوئی روٹھ جائیگا

موج میں آکے دل کبھی نغمۂ غم جو گائیگا
عالم رنگ و بو تمام درد میں ڈوب جائیگا

قہر بھری نگاہ سے عکس حسیں دیکھیے
جذب نگاہ کی قسم آئینہ ٹوٹ جائیگا

رہرو عشق ہوں شکیل راہنما سے مجھ کو کیا
راہنما بھی میرے ساتھ راستہ بھول جائیگا

⁂ ⁂ ⁂

میرے ہی غم کی ترجمان فطرتِ بے زباں نہ ہو
مجھ کو وہ داستاں سنا جو میری داستاں نہ ہو

عقل جنوں نواز سن تجھ پہ اگر گراں نہ ہو
حسن خود اپنی ذات ہے عشق جو درمیاں نہ ہو

سائرِ رہِ نگاہ ہے دور کچھ اک غبار سا
جس کی مجھے تلاش ہے یہ وہی کارواں نہ ہو

نظر اٹھا کے دیکھ خود میں کبھی سما کے دیکھ
دیدہ و دل کی آڑ میں جلوہ بے اماں نہ ہو

حسن کی اصطلاح میں جبر کا نام عشق ہے
غم ہو مگر گلہ نہ ہو دل ہو مگر زباں نہ ہو

آتشِ ضبط سے مفر یوں تو فغاں میں ہے مگر
ہائے وہ ناتواں جسے حوصلۂ فغاں نہ ہو

میری نظر میں واقعی ہے وہ بلا کا خودغرض
تو جسے غم عطا کرے اور وہ شادماں نہ ہو
شعر و ادب کو آج بھی صنفِ غزل پہ ناز ہے
سعیِ مخالفت شکیلؔ ڈر ہے رائیگاں نہ ہو

تیری نظر کو مرے دل سے واسطہ نہ رہا
غلط کہ موج کو ساحل سے واسطہ نہ رہا
ہے عین راہ پہ گم کردہ راہیوں کی قسم
وہ کارواں جسے منزل سے واسطہ نہ رہا
خطا معاف یہ رنگینیاں کہاں ہوں گی
اگر مجھے تری محفل سے واسطہ نہ رہا
جو کل تک اپنے لیے جان زندگی تھے شکیلؔ
اب ان حسین مشاغل سے واسطہ نہ رہا

جنوں سے گزرنے کو جی چاہتا ہے
ہنسی ضبط کرنے کو جی چاہتا ہے
جہاں عشق میں ڈوب کر رہ گئے ہیں
وہیں پھر ابھرنے کو جی چاہتا ہے
وہ ہم سے خفا ہیں ہم ان سے خفا ہیں
مگر بات کرنے کو جی چاہتا ہے
ہے مدت سے بے رنگ نقش محبت
کوئی رنگ بھرنے کو جی چاہتا ہے
بایں خودسری وہ غرور محبت
انہیں سجدہ کرنے کو جی چاہتا ہے
قضا عزدہ زندگی لے کے آئے
کچھ اس طرح مرنے کو جی چاہتا ہے
نظام دو عالم کی ہو خیر یارب
پھر اک آہ کرنے کو جی چاہتا ہے
گناہ مکرر شکیلؔ اللہ اللہ
بگڑ کر سنورنے کو جی چاہتا ہے

اب تک جو چھپا یا تھا تو نے اپنی ہی نظر کے پردے میں
بے پردہ ہوا وہ رازِ ازل تخلیق بشر کے پردے میں
فطرت کے حسیں نظاروں کی اس خاص کشش کو کیا کہیے
پوشیدہ ہیں وہ نظروں سے مگر رہتے ہیں نظروں کے پردے میں
اے رہروِ راہِ عشق و وفا رفتارِ نگاہ و دل پہ نہ جا
ہر گام پہ اک منزل ہے نئی اس راہ گزر کے پردے میں

❊ ❊ ❊

وہ ہم سے دور ہوتے جا رہے ہیں
بہت مغرور ہوتے جا رہے ہیں
بس اک ترکِ محبت کے ارادے
ہمیں منظور ہوتے جا رہے ہیں
مناظر تھے جو فردوسِ تصور
وہ سب مستور ہوتے جا رہے ہیں
بدلتی جا رہی ہے دل کی دنیا
نئے دستور ہوتے جا رہے ہیں
بہت مغموم تھے جو دیدہ و دل
بہت مسرور ہوتے جا رہے ہیں
وفا پر مُردنی سی چھا چلی ہے
ستم کا نور ہوتے جا رہے ہیں
کبھی وہ پاس آئے جا رہے تھے
مگر اب دور ہوتے جا رہے ہیں
فراق و ہجر کے تاریک لمحے
سراپا نور ہوتے جا رہے ہیں
شکیلؔ احساسِ گمنامی سے کہہ دو
کہ ہم مشہور ہوتے جا رہے ہیں

❊ ❊ ❊

رنگ بدل کے رہ گیا گلشن روزگار بھی
ہم سے خفا وہ کیا ہوئے روٹھ گئی بہار بھی

نخوت بے اماں کے ساتھ شوخی انکسار بھی
کتنا ستم ظریف ہے حسن ستم شعار بھی

آ ہی گئے وہ روبرو وعدہ نو کیے ہوئے
جرم لطیف بن گئی لغزش اعتبار بھی

اتنی مشابہت رہی تجھ میں ترے خیال میں
دیدہ و دل نہ پا سکے فرصت انتظار بھی

لذت یاس و لطف غم قلب حزیں سے پوچھ لے
غم کدۂ حیات ہے جنت روزگار بھی

ہیں روشیں جدا جدا ہوں میں بیک زباں شکیلؔ
حامل ذوق شعر بھی، مائل روزگار بھی

وہ ایک تیر خراش آگیں جو دل سے نکلے گا آہ بن کر
انہیں کے سینے میں چبھ نہ جائے کہیں انہیں کی نگاہ بن کر

کوئی بتائے کہ راہنما نے کیا بھی کیا خیر خواہ بن کر
ہم اپنی منزل پہ رفتہ رفتہ پہنچ گئے گرد راہ بن کر

ہماری شرح دراز فرقت تو ختم ہوتی نہ تا قیامت
مگر ہوئی مختصر کچھ اتنی کہ رہ گئی صرف آہ بن کر

قسم نظر سوز طلعتوں کی جو میں حجاب نیاز اٹھا دوں
تمام عالم کو جگمگا دوں تجلیٔ بے پناہ بن کر

گناہ میں تھی کشش بلا کی دعا کو ہاتھ اس لیے نہ اٹھے
مجھے یہ ڈر تھا کہ تیری رحمت بھی رہ نہ جائے گناہ بن کر

رعنائیِ بہارِ گل و گلستاں گئی
وہ کیا گئے کہ رونقِ بزمِ جہاں گئی

ملتے ہی ان سے کشمکشِ جسم و جاں گئی
ہوش آگیا تو وحشتِ خوابِ گراں گئی

آخر غبارِ راہِ محبت بھی چھپ گیا
کچھ دور تک تو نگاہِ پسِ کارواں گئی

وہ آج مطمئن نظر آتے ہیں بزم میں
شاید کسی کی سعیِ فغاں رائیگاں گئی

غم ہو کہ انبساط کسی کو نہیں قرار
فصلِ بہار آئی تو فصلِ خزاں گئی

اب اس فریب خوردہ تمنا کو کیا کروں
جو تیری انجمن سے بہت شادماں گئی

کہیئے جنابِ شیخ یہ مے ہے یہ میکدہ
اب آرزوئے کوثر و جنت کہاں گئی

اے کامیابِ سعیِ مداوا خطا معاف
پھر کیا رہا جو لذتِ دردِ نہاں گئی

***

تری یاد سے دل فروزاں کریں گے
پھر اس غمکدے میں چراغاں کریں گے

ذرا حضرتِ دل کی جرأت تو دیکھو
یہ نظارۂ حسنِ جاناں کریں گے

زمانہ جو آتش فشاں ہے تو کیا غم
ہم آتش کدے کو گلستاں کریں گے

چلے تو ذرا دورِ جامِ محبت
فرشتے بھی تقلیدِ انساں کریں گے

سلامت روی بزم سمجھے گی دنیا
کسی سے اگر ذکرِ طوفاں کریں گے

جو آسانیوں کو بھی مشکل بنا دیں
وہ کیا میری مشکل کو آساں کریں گے

***

شکستِ شیشۂ عقل و شعور دیکھیں گے
قریب دیکھیں گے ان کو دور دیکھیں گے

کبھی تو اوج ناصبور دیکھیں گے
اس آئینے میں وہ صورت ضرور دیکھیں گے

نفس نفس ہے اگر آشنائے ذوقِ طلب
نظر نظر کو انہیں کے حضور دیکھیں گے

معاملاتِ محبت میں دیکھنا یہ ہے
وہ کیا کریں گے جب اپنا قصور دیکھیں گے

ذرا نقاب حسیں رخ سے تم الٹ دینا
ہم اپنے دیدہ و دل کا غرور دیکھیں گے

ہزار پردوں میں چھپ جائیں وہ تو کیا حاصل
شکیلؔ دیکھنے والے ضرور دیکھیں گے

جلوۂ معتبر کو کیا کہیے
دل نہیں دل نظر کو کیا کہیے

جو گزرتے ہیں آہ تیرے بغیر
ایسے شام و سحر کو کیا کہیے

عشق نے پا لیا خود اپنا مقام
ان کی پہلی نظر کو کیا کہیے

رخ سے الٹا تو تھا کسی نے نقاب
قصۂ مختصر کو کیا کہیے

دور ہو کر بھی پاس ہے کوئی
اہتمام نظر کو کیا کہیے

تھا مقدر میں گھٹ کے مر جانا
غفلتِ چارہ گر کو کیا کہیے

مجھ سے غافل بھی میری جانب سے
احتیاطِ نظر کو کیا کہیے

زندگی مدہوش ہو کر رہ گئی
ان سے ہم آغوش ہو کر رہ گئی

میں نے جب دیکھا تو وہ برقِ جمال
دفعتاً روپوش ہو کر رہ گئی

عشق پروانوں کو تھا وہ جل گئے — شمع کیوں خاموش ہو کر رہ گئی
دیکھیے للہ دامن کو ہوا — آرزو بے ہوش ہو کر رہ گئی

کھل تو جائے گی زباں ان کے حضور
اور اگر خاموش ہو کر رہ گئی
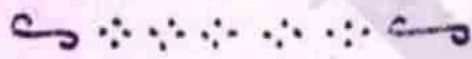
ہر مسرت سے گریزاں نظر آتا ہے مجھے — دل حریفِ غمِ جاناں نظر آتا ہے مجھے
تو محبت کا نگہبان نظر آتا ہے مجھے — یا کوئی خواب پریشاں نظر آتا ہے مجھے
جب سے چھایا ہے تری یاد کا عالم دل پر — ہر نفس شعلہ بداماں نظر آتا ہے مجھے
کچھ مجھی تک نہیں محدود مرا ذوقِ جنوں — پھول بھی چاک گریباں نظر آتا ہے مجھے
اپنی جاتی ہوئی دنیا کی قسم اے عزیز غمِ ہجر — تو بھی اک رات کا مہماں نظر آتا ہے مجھے
سن کر ذات تری بحث مسلم لیکن — یوں وہ کچھ اور نمایاں نظر آتا ہے مجھے

ایک واعظ ہی تھا منجملہ اربابِ خلوص
وہ بھی اس دور کا انساں نظر آتا ہے مجھے

ان کو شرحِ غم سنائی جائے گی — آگ پانی میں لگائی جائے گی
کھنچ کے دیکھیں گے کسی سے ایک بار — یوں بھی قسمت آزمائی جائے گی
تیری نظروں میں ہے جو تاثیرِ جذب — اب مرے نالوں میں پائی جائے گی
میری صبحِ زندگی کی اک جھلک — ڈوبتے تاروں میں پائی جائے گی
آپ ہی کہیے کہ موجِ اضطراب — آپ سے کیونکر چھپائی جائے گی

راز رکھ رازِ محبت اے شکیلؔ
یہ غزل محفل میں گائی جائے گی

~ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ~

حسن پابندِ رہ و رسمِ وفا کیوں نہ رہا ہائے پہلا سا محبت میں مزا کیوں نہ رہا
اکثر آتا ہے غمِ عشق میں وہ بھی عالم سوچتا ہوں تری نظروں سے جدا کیوں نہ رہا
بے خودی دائرہ ہوش میں آ ہی جاتی ہے اور دو چار گھڑی پردہ اٹھا کیوں نہ رہا
تیری افسردہ نگاہی سے یہ شکوہ ہے کہ میں راز بن کر ترے سینے میں چھپا کیوں نہ رہا
حسن کے حسن ندامت کی قسم کیا کہیے دل کو اب حوصلۂ ترکِ وفا کیوں نہ رہا

دیں صدائیں درِ انساں ہی پہ انسان شکیلؔ
ہائے دنیا میں غریبوں کا خدا کیوں نہ رہا

~ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ~

محبت نے ہمیں پہنچا دیا یہ کن منازل میں نہ حرفِ مدعا لب پر نہ کوئی آرزو دل میں
نظر بیگانۂ وسعت نہ ذوقِ جستجو دل میں الجھ کر کیوں نہ رہ جاؤں حجاباتِ مقابل میں
ہلاکت خیز ہیں ناز و نیاز شمع و پروانہ کہ ان جھگڑوں سے اکثر آگ لگ جاتی ہے محفل میں
ہزاروں نے رہِ عشق و وفا میں ٹھوکریں کھائیں نہ پہنچا آج تک دیوانہ کوئی حدِ منزل میں
یہاں بھی تو وہاں بھی تو ہمیں خلوت سے کیا مطلب تری محفل سے اٹھ کر بھی رہیں گے تری محفل میں

بہ اندازہ ہوا لمحاتِ فرصت میں شکیلؔ اکثر
بہر عنواں اضافہ ہوتا جاتا ہے مشاغل میں

~ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ~

تمہیدِ ستم اور ہے تکمیلِ جفا اور
چکھنے کا مزہ اور ہے پینے کا مزہ اور

تاثیر تو تاثیر تصور ہے گریزاں
راتوں کو ذرا مانگئے اٹھ اٹھ کے دعا اور

دونوں ہی بنائے کشش و جذب ہیں لیکن
نغموں کی صدا اور ہے نالوں کی صدا اور

اے فطرتِ غمِ زیست ہی کیا کم تھی مصیبت
نازل ہوئی اس پہ یہ محبت کی بلا اور

ٹکرا کے وہیں ٹوٹ گئے شیشہ و ساغر
میخوار کے جھرمٹ میں جو ساقی نے کہا اور

وہ خود نظر آتے ہیں جفاؤں پہ پشیماں
کیا چاہیے اب تم کو شکیلؔ اس کے سوا اور

یہ کیا طلسمِ غم کدۂ کائنات ہے
باوصف مہر و ماہ نہ دن ہے نہ رات ہے

دل بے نیازِ آرزوئے التفات ہے
شاید اسی کا نام سکونِ حیات ہے

آزاد لاکھ اسیرِ غمِ عشق ہو تو کیا
یہ قید کم نہیں کہ بقیدِ حیات ہے

اپنا ہی عکس دیکھتا رہتا ہوں چار سو
عالم تمام آئینۂ حسنِ ذات ہے

انساں ہزار منزلِ رفعت پہ ہو شکیلؔ
ایسے میں خود کو بھول نہ جائے تو بات ہے

اندازِ ملادائے جنوں کام نہ آیا
کوشش تو بہت کی مگر آرام نہ آیا

ساقی کو خیالِ کرمِ عام نہ آیا
ہاتھوں میں نہ آنا تھا مرے جام نہ آیا

ہم صیدِ جہاں صیدِ نظر صیدِ زباں صید
سب صید مگر تو ہی تہِ دام نہ آیا

جب تک وہ تجلی رہی آغوشِ نظر میں
بھولے سے کبھی ذکرِ سحر و شام نہ آیا

یوں کم نہ ہوئی رونقِ ہنگامۂ محفل — محفل میں کوئی واقفِ انجام نہ آیا
صد حیف کہ برباد ہوئے ہم تری خاطر — صد شکر کہ تجھ پر کوئی الزام نہ آیا

اعجازِ مسیحا پہ شکیلؔ آپ ہیں نازاں
اعجازِ مسیحا بھی اگر کام نہ آیا

تغافل بھی، مہرباں بھی، جفا بھی — یہ سب کچھ سر آنکھوں پہ لیکن خطا بھی
بہت کچھ کیا ضبط شکووں پہ لیکن — ان آنکھوں سے بارِ ندامت اٹھا بھی
میں اس جذبِ محکم کے قربان جاؤں — تجھی سے محبت ہے تیرے سوا بھی
بقیدِ جنون و خرد ہے وہ جلوہ — حضورِ نظر بھی، نظر سے جدا بھی

نظر باز کر لیں خودی کو مکمل
خودی کے حجابات میں ہے خدا بھی

تکمیلِ شباب چاہتا ہوں — ہو جاؤں خراب چاہتا ہوں
سر معرکۂ الم ہے کرنا — تھوڑی سی شراب چاہتا ہوں
اپنی ہی لطافتِ نظر کی — اس رخ پہ نقاب چاہتا ہوں
ہو خیر مجنوں کی یا رب! — ظالم سے حجاب چاہتا ہوں
ہاں اے غمِ عشرتِ گزشتہ — اک فرصتِ خواب چاہتا ہوں
اس چھیڑ پہ زندگی تصدق — بے وجہ عتاب چاہتا ہوں
وہ مجھ سے سوال کر رہے ہیں — میں ان سے جواب چاہتا ہوں

کچھ ایسی حقیقتیں ہیں جن کو
پابند حجاب چاہتا ہوں

آنکھ سے آنکھ ملاتا ہے کوئی ــــ دل کو کھینچے لیے جاتا ہے کوئی
وائے حیرت کہ بھری محفل میں ــــ مجھ کو تنہا نظر آتا ہے کوئی
صبح کی مست فضاؤں کی قسم ــــ روز آکے جگاتا ہے کوئی
منظرِ حسن دو عالم کے نثار ــــ مجھ کو آئینہ دکھاتا ہے کوئی
چاہیے خود پہ یقینِ کامل ــــ حوصلہ کس کا بڑھاتا ہے کوئی
سب کرشمات تصور ہیں شکیلؔ
ورنہ آتا ہے نہ جاتا ہے کوئی

مری زندگی پہ نہ مسکرا مجھے زندگی کا الم نہیں
جسے تیرے غم سے ہو واسطہ وہ خزاں بہار سے کم نہیں
مرا کفر حاصلِ زہد ہے مرا زہد حاصلِ کفر ہے
مری بندگی وہ ہے بندگی جو رہینِ دیر و حرم نہیں
مجھے راس آئیں خدا کرے یہی اشتباہ کی ساعتیں
انہیں اعتبارِ وفا تو ہے مجھے اعتبارِ ستم نہیں
وہی کارواں وہی راستے وہی زندگی وہی مرحلے
مگر اپنے اپنے مقام پر کبھی تم نہیں کبھی ہم نہیں

نہ وہ شانِ جبرِ شباب ہے نہ وہ رنگ قہرِ عتاب ہے
دلِ بے قرار پہ ان دنوں ہے ستم یہی کہ ستم نہیں

نہ فنا مری نہ بقا مری مجھے اے شکیلؔ نہ ڈھونڈھیے
میں کسی کا حُسنِ خیال ہوں مرا کچھ وجود و عدم نہیں

ستم کی ہر ادا اب تک تو ہم دوشِ قیامت ہے
ستم میں سادگی بھی ہو گئی شامل تو کیا ہو گا

جہنم کی طرف لے جانے والے اہلِ عصیاں کو
کسی کی شانِ رحمت ہو گئی حائل تو کیا ہو گا

سکوتِ حسن و تاثیرِ محبت اے معاذاللہ
اگر طوفاں کی جانب کھنچ گیا ساحل تو کیا ہو گا

بچھڑ کر کارواں سے خضر کی منت بجا لیکن
جو نکلے خضر بھی گم کردۂ منزل تو کیا ہو گا

غرور اتنا شکیلؔ اس شوخ کی بے اعتنائی پر
کہیں تم کو سمجھ لے وہ کسی قابل تو کیا ہو گا

دیتی ہیں بہاریں انہیں پیغامِ سکوں کیا
معلوم نہیں فطرتِ اربابِ جنوں کیا

اس مشقِ تغافل کی قسم یہ تو بتا دے
تا عمر میں بیتاب ہی بیتاب رہوں کیا

ہاں تیری خوشی میری خوشی ہے مگر اے دوست
اس لطفِ مسلسل کا بھی شکوہ نہ کروں کیا

مخلوق کبھی ہستی مری خالق کبھی مری ذات
اس پر بھی مجھے علم نہیں ہے کہ میں ہوں کیا

سب تیری محبت کی عنایات ہیں ورنہ
میں کیا، مرا دل کیا، مرے انداز جنوں کیا

مانا کہ بہت تلخ ہے انجام تمنّا
یہ غم تری خاطر کبھی گوارا نہ کر دل کیا

اک عالم عرفان حقیقت ہے محبت
اک منزلِ ادراک محبت ہے جنوں کیا

بن جائے قہر عشرتِ پیہم کبھی کبھی
دل کو سکوں نہ دے جو ترا غم کبھی کبھی

لمحاتِ یاد دوست کو صرفِ دعا نہ کر
آتے ہیں زندگی میں یہ عالم کبھی کبھی

زاہد کی مے کشی پہ تعجب نہ کیجیے
لاتی ہے رنگ فطرت آدم کبھی کبھی

مرکز سے ہو کے دور بہ ایں اختصارِ عمر
روتی ہے اپنے حال پہ شبنم کبھی کبھی

ہو کر ترے خیال کی رنگینیوں میں گم
خود بن گیا ہوں حسن مجسم کبھی کبھی

کیف و نشاطِ درد کا عالم نہ پوچھیے
ہنس کر گزار دی ہے شبِ غم کبھی کبھی

اُن کی خوشی کو اپنی خوشی جان کر شکیلؔ
سر کر لیا ہے معرکۂ غم کبھی کبھی

اب تو ہر عنوانِ عیش و غم سے جی گھبرا گیا
زیست کے افسانۂ مبہم سے جی گھبرا گیا

سوزِ عشق و گریۂ پیہم سے جی گھبرا گیا
ارتباطِ شعلہ و شبنم سے جی گھبرا گیا

کوئی دیکھے تو ذرا یہ طرزِ تنظیم حیات
پھر وہی عالم کہ جس عالم سے جی گھبرا گیا

اب تجھی پر منحصر ہے فیصلہ برقِ جمال
چشم و دل کی چشمکِ باہم سے جی گھبرا گیا

سعیٔ تکمیل محبت تو بجا ہے اے شکیل
اور اگر ناکامیٔ پیہم سے جی گھبرا گیا

دل کی نظر سے اہلِ نظر دیکھتے نہیں
منزل ہے زیرِ گام مگر دیکھتے نہیں

کیا پوچھتے ہو تمکنتِ عیش کا مآل
یہ اہتمام برق و شرر دیکھتے نہیں

طاری نگاہ و دل پہ ہے اک مرگِ بیخودی
شاید وہ کچھ دنوں سے ادھر دیکھتے نہیں

دل دادگانِ سوزِ محبت خدا گواہ
بجھتے ہوئے چراغ سحر دیکھتے نہیں

ناصح نظر شناس نہیں ہم کو کیا ملال
جو دل کو دیکھتے ہیں نظر دیکھتے نہیں

تھا دل کو سکوں عشقِ جنوں گیر سے پہلے
گردش ہی نہ تھی گردشِ تقدیر سے پہلے

اب قیمتِ یک موجِ نفس ہو گئی معلوم
کچھ بھی تو نہ تھا آہ میں تاثیر سے پہلے

اے سایۂ دامانِ کرم ڈھونڈھنے والو
انجام بھی سوچا کبھی تقصیر سے پہلے

دنیا مری تصویر پہ بے کار ہے نا قدر
دنیا ہی کہاں تھی مری تصویر سے پہلے

یہ محفلِ رنداں ہے یہاں حضرتِ واعظ
عنوان بنا دیجیے تقریر سے پہلے

دور ہیں وہ اور کتنی دور
پھر بھی مری نظروں کے حضور

رنج و مصیبت جور و ستم
آپ کی خاطر سب منظور

دل پہ بیتے لب پہ نہ آئے ہائے محبت کا دستور
حسرتِ دید از دید بلند حور سے بہتر وعدۂ نور
پردۂ رنگ و بو تو اٹھا ہوگا کوئی نہ کوئی ضرور
دورِ ترقی کیا ہے شکیلؔ
دنیا کی عقلوں کا فتور

⁂

میری دیوانگی نہیں جاتی رو رہا ہوں ہنسی نہیں جاتی
تیرے جلوؤں سے آشکار ہوں میں چاند کی چاندنی نہیں جاتی
ترک مے ہی سمجھ اسے ناصح اتنی پی ہے کہ پی نہیں جاتی
جب سے دیکھا ہے انکو بے پردہ نخوتِ آگہی نہیں جاتی
شوخیٔ حسن بے اماں کی قسم حُسن کی سادگی نہیں جاتی
اُن کی دریا دلی کو کیا کہیے
میری تشنہ لبی نہیں جاتی

⁂

تصور میں ان سے ملاقات کیوں ہو نظارہ بقیدِ حجابات کیوں ہو
نظر وقفِ شکر شکایات کیوں ہو انہیں جس سے ضد ہے وہی بات کیوں ہو
مجھے ظلمتِ ہجر پر ہے تعجب جہاں دن نہ نکلے وہاں رات کیوں ہو
وہ خود بھی ہیں جرمِ محبت میں شامل خطاوار تنہا مری ذات کیوں ہو
فریبِ وفا وعدہ ہائے مسلسل
مجھی پر یہ مشقِ عنایات کیوں ہو

مری زندگی ہے ظالم ترے غم سے آشکارا
ترا غم ہے درحقیقت مجھے زندگی سے پیارا

وہ اگر بُرا نہ مانیں تو جہانِ رنگ و بو میں
میں سکونِ دل کی خاطر کوئی ڈھونڈ لوں سہارا

مجھے تجھ سے خاص نسبت میں رہین موجِ طوفاں
جنہیں زندگی تھی پیاری انہیں مل گیا کنارا

مجھے آگیا یقیں سا کہ یہی ہے میری منزل
سرِ راہ جب کسی نے مجھے دفعتاً پکارا

یہ خنک خنک ہوائیں یہ جھکی جھکی گھٹائیں
وہ نظر بھی کیا نظر ہے جو سمجھ نہ لے اشارا

میں بتاؤں فرق ناصح جو ہے مجھ میں اور تجھ میں
مری زندگی تلاطم تری زندگی کنارا

مجھے فخر ہے اسی پر یہ کرم بھی ہے مجھی پر
تری کم نگاہیاں بھی مجھے کیوں نہ ہوں گوارا

مجھے گفتگو سے بڑھ کر غمِ اذنِ گفتگو ہے
وہی بات پوچھتے ہیں جو نہ کہہ سکوں دوبارا

کوئی اے شکیلؔ پوچھے یہ جنوں نہیں تو کیا ہے
کہ اسی کے ہو گئے ہم جو نہ ہو سکا ہمارا

آنکھ ان کو دیکھتی ہے نظارا کیے بغیر
پردہ میں چھپ گئے وہ پردہ کیے بغیر

ہر چند دردِ عشق کا درماں نہیں مگر
بنتی نہیں ہے فکرِ مداوا کیے بغیر

زاہد سے پوچھیے غمِ دنیا کی عظمتیں
عقبیٰ نہ مل سکی غمِ دنیا کیے بغیر

جاتے ہیں دل میں چھوڑ کے وہ جلوۂ خیال
بجھتی ہے شمع گھر میں اندھیرا کیے بغیر

اکثر تو دل گرفتگیٔ شوق کی قسم
مجھ تک وہ آ گئے ہیں ارادہ کیے بغیر

ہم کو بھی دیکھنا ہے کہ یہ منکرینِ عشق
کب تک رہیں گے تیری تمنا کیے بغیر

شعر و ادب کی راہ میں ہوں گامزن شکیل
اپنے مخالفین کی پرواہ کیے بغیر

⁂

دید کے حوصلے ہیں گم جلوۂ حسن ذات میں
دخل نگاہ کچھ نہیں دل کے معاملات میں

دل سے نہ قطعِ راہ کر، دل کی طرف نگاہ کر
دیکھ یہ وسعتیں کہاں دامنِ کائنات میں

جرأتِ شکوہ بھی نہیں جن کے حضور بار یاب
ہیں وہ ستم چھپے ہوئے پردۂ التفات میں

فیضِ جنوں سے مٹ گیا خلوت و انجمن کا فرق
حشر بپا ہے آج کل بزمِ تصوّرات میں

حسن و نظر کی کشمکش ختم ہوئی نہ تھی ہنوز
دل بھی الجھ کے رہ گیا دامِ تجلیات میں

شکوۂ غم نہ کر شکیلؔ حسنِ مآل کو بھی دیکھ
ہے کوئی مصلحت ضرور انکی ہر ایک بات میں

فزوں اتنا تو ذوقِ جستجوئے یار ہو جائے
نگاہیں ڈھونڈتی رہ جائیں اور دیدار ہو جائے

سنا ہے آرہے ہیں خود وہ پیغامِ سکوں بن کر
زمانہ رُخ بدلنے کے لیے تیار ہو جائے

وہ تجدیدِ محبت کے لیے بیتاب ہیں اے دل
مزہ جب ہے تری جانب سے اب انکار ہو جائے

محبت کی وہ منزل بھی عجب نازک سی منزل ہے
جہاں اندازۂ لطف و ستم دشوار ہو جائے

بس اب آجا کہ آنکھوں میں ہے خوابِ مرگ تنہائی
ترے آنے سے شاید زندگی بیدار ہو جائے

شکیلؔ اس کے سوا کیا مدعا تخلیق ہستی کا
محبت زندگی سے برسرِ پیکار ہو جائے

نہ اب وہ آنکھوں میں برہمی ہے نہ اب وہ ماتھے پہ بل رہا ہے
وہ ہم سے خوش ہیں ہم ان سے خوش ہیں زمانہ کروٹ بدل رہا ہے

خوشی نہ غم کی نہ غم خوشی کا عجب عالم ہے زندگی کا
چراغ افسردۂ محبت نہ بجھ رہا ہے نہ جل رہا ہے

اہانتِ چشمِ مست ہے یہ کہ ہوش چھا جائے بے خودی کا
نظر اٹھا کر تو دیکھ ساقی یہ کون گر کر سنبھل رہا ہے

ہزار ترکِ وفا کر دوں میں تری محبت کو کیا کروں
دلِ حزیں تجھ سے روٹھ کر بھی ترے اشاروں پہ چل رہا ہے

یہ کالی کالی گھٹا یہ ساون فریبِ زاہد الٰہی توبہ
وضو میں مصروف ہے بظاہر حقیقتاً ہاتھ مل رہا ہے

نہیں ہیں دیپک کے راگ سے کم محبتوں کے گداز نغمے
جو سن رہا ہے وہ جھک رہا ہے جو گا رہا ہے وہ جل رہا ہے

کہاں یہ ہستی کی واردائیں کہاں یہ عیش و طرب کی باتیں
اب اور ہی نغمہ چھیڑ مطرب کہ یہ رنگِ محفل بدل رہا ہے

شکیلؔ تفسیر شعر اپنی جو پوچھتے ہو تو بس اتنی
جو نالہ سینہ میں گھٹ رہا تھا وہ نغمہ بنکر نکل رہا ہے

غمِ حیات بھی آغوشِ حسن یار میں ہے
یہ وہ خزاں ہے جو ڈوبی ہوئی بہار میں ہے

سراب کا عہد وفائے یار میں ہے
قدم قدم پہ جو لغزش سی اعتبار میں ہے

شگفتگیٔ دلِ کارداں کو کیا سمجھے
وہ اک نگاہ جو الجھی ہوئی غبار میں ہے

شکستِ حوصلۂ ضبطِ غم مجھے منظور
چلے بھی آؤ کہ دل کب سے انتظار میں ہے

یہ اضطراب کا عالم یہ شوقِ بے پایاں
شکیلؔ آج بلاشبہ کوئے یار میں ہے

روح کو تڑپا رہی ہے ان کی یاد — درد بن کر چھا رہی ہے ان کی یاد
عشق سے گھبرا رہی ہے ان کی یاد — رُکتے رُکتے آ رہی ہے ان کی یاد
وہ ہنسے وہ زیرِ لب کچھ کہہ اٹھے — خواب سے دکھلا رہی ہے ان کی یاد
میں تو خودداری کا قائل ہوں مگر — کیا کروں پھر آ رہی ہے ان کی یاد

اب خیالِ ترکِ ربط و ضبط ہے
خود بخود شرما رہی ہے ان کی یاد

فرقت میں ہوں جینے کی دعاؤں سے حزیں اور
اس قید کی میعاد نہ بڑھ جائے کہیں اور

لب صرفِ تکلّم ہیں تو نظریں ہیں کہیں اور
ان باتوں سے ہوتا ہے محبت کا یقیں اور

مغرور ہوئے جاتے ہیں تنکے بھی چمن میں
اے برق ذرا میرے نشیمن کے قریں اور

مسجد کے ارادے سے نکلتے تو ہیں زاہد
لیکن انہیں جاتے ہوئے دیکھا ہے کہیں اور

وہ مہلتِ اظہارِ تشکر نہیں دیتے
کچھ اس کے سوا ان سے شکایت ہی نہیں اور

ہے ترکِ محبت کا تخیّل اب تو یہ عالم
میں جتنا بھلاتا ہوں وہ ہوتے ہیں قریب اور

کیوں نہ تقدیر پہ ہو نازِ نعم آج کی رات
سن رہے ہیں وہ مرا قصۂ غم آج کی رات

اٹھ گئی میری طرف چشمِ کرم آج کی رات
چھپ گئے دامنِ فردا میں ستم آج کی رات

بدگمانی سی ہوئی جاتی ہے یقیں در آغوش
کھا رہے ہیں وہ محبت کی قسم آج کی رات

سوچتا ہوں میں بہ ایں عالمِ فردوس خیال
کیا ہوئی شدتِ احساسِ الم آج کی رات

نگۂ لطفِ مسیحا سے کبھی تسکیں نہ ہوئی
درد پہلے سے زیادہ ہے نہ کم آج کی رات

خرد کو آزمانا چاہتا ہوں
جنوں کی زد پہ آنا چاہتا ہوں

جو تھی حاصل تری محفل سے پہلے
اسی خلوت میں جانا چاہتا ہوں

نہ ہو جس میں نمایاں حال و ماضی
کوئی ایسا زمانہ چاہتا ہوں

جفا و رنج و لطف و شادمانی
میں سب کچھ بھول جانا چاہتا ہوں

تری خاطر جنہیں بیگانہ سمجھا
انہیں اپنا بنانا چاہتا ہوں

جنونِ منتقم ہوشیار ہو جا
انہیں ہنس کر رلانا چاہتا ہوں

نہیں خواہش مجھے کون و مکاں کی
نگاہِ مخلصانہ چاہتا ہوں

محبت پہ پڑے ترکِ محبت
کوئی تہمت لگانا چاہتا ہوں

~ ⁖ ⁖ ⁖ ⁖ ~

نہ خیالِ مرگ و ہستی نہ ملالِ عمرِ فانی! — مرا مدعا محبت مری آرزو جوانی!
وہی کیفِ بے نہایت وہی لطف و شادمانی — تری عشوؤں پہ صدقے مری تلخ زندگانی
جو بھڑک اٹھے یہ شعلے تو مجھے کبھی پھونک دینگے — مرا قصۂ محبت نہ سنو مری زبانی
مرے دل کا ساتھ دیتی مری زندگی کہاں تک — مجھے ہوش آرہا تھا کہ گزر گئی جوانی

میں کروں تو شکوۂ غم مگر لے یقینِ محکم
مجھے بے زباں نہ کردے کہیں ان کی بے زبانی

~ ⁖ ⁖ ⁖ ⁖ ~

عروجِ فطرتِ آدم کو رسوا کر رہا ہوں میں — خدا کو بھول کر انساں کو سجدہ کر رہا ہوں میں
سکون و عیش کے ساماں مہیا کر رہا ہوں میں — حیاتِ چند روزہ پر بھروسہ کر رہا ہوں میں
ترے پردے میں خود اپنی تمنا کر رہا ہوں میں — ارے توبہ محبت کو بھی رسوا کر رہا ہوں میں
غرورِ بے نیازی خود نمائی و خود آرائی — جو تجھ میں ہیں وہی انداز پیدا کر رہا ہوں میں

بجا ترکِ وفا کی کوششیں لیکن تعجب ہے
یہ بے جا رنجشیں کیونکر گوارا کر رہا ہوں میں

~ ⁖ ⁖ ⁖ ⁖ ~

نگاہِ شوق پہ کرنا ہے آشکار مجھے — وہ ایک راز جو سمجھا گئی بہار مجھے
فریبِ وعدۂ فردا کو جانتا ہوں مگر — میں کیا کروں اگر آجائے اعتبار مجھے

ہنوز تشنۂ تکمیل ہے مذاقِ الم شکست دل کی صدا بن کے پھر پکار مجھے
زمانہ ترکِ محبت کو ہو گیا لیکن ستا رہی ہے خلش کوئی بار بار مجھے
نگاہِ قہر کی محبوب تلخیوں کی قسم
نگاہِ لطف کبھی آئی نہ ساز گار مجھے

ـــــ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ــــ

عقل نے سزا پائی شرح رنگ بو کر کے یعنی خود کو کھو بیٹھے ان کی جستجو کر کے
وہ بھی دل گرفتہ ہیں اپنی کیا کہوں ناصح مجھ سے گفتگو کرنا ان سے گفتگو کر کے
اک جنونِ بے معنی اک یقینِ لاحاصل اور کیا ملا ظالم تیری آرزو کر کے
آرزو لرزتی تھی جن کا نام بھی سن کر
ان کو پا لیا ہم نے ترکِ آرزو کر کے

ـــــ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ــــ

صبح کا افسانہ کہہ کر شام سے کھیلتا ہوں گردشِ ایام سے
ان کی یاد ان کی تمنا اُن کا غم کٹ رہی ہے زندگی آرام سے
عشق میں آئیں گی وہ بھی ساعتیں کام نکلے گا دلِ ناکام سے
لاکھ میں دیوانہ و رسوا سہی پھر بھی اک نسبت ہے تیرے نام سے
صبح گلشن دیکھیے کیا گل کھلائے کچھ ہوا بدلی ہوئی ہے شام سے
ہائے میرا ماتم تشنہ لبی شبنم مل کر رو رہا ہے جام سے
بیخودی پر شاید ان کا بس نہیں ہوش آجاتا ہے ان کے نام سے
ہر نفس محسوس ہوتا ہے تسکین
آرہے ہیں نامہ و پیام سے

کچھ اس قدر تو فزوں شوقِ دیدار یار رہے
وہ سامنے ہوں مگر ان کا انتظار رہے

نظر کو شرکتِ نظارہ کی بھی تاب نہیں
بس آج ہم رہیں گلشن میں یا بہار رہے

خوشا یہ عفو مسلسل رہے یہ رحمت عام
گناہ گار کہاں تک گناہ گار رہے

خزاں کے دم سے ہے قائم چمن کی رعنائی
اجڑ ہی جائے اگر مستقل بہار رہے

مآلِ خندۂ گل پر نکل پڑیں آنسو
اگر نگاہِ پسِ پردہ بہار رہے

۔۔۔۔۔۔

عسرت دور رہتی ہے تو دل کو غم نہیں ہوتا
عجب ہوتا ہے عالم جب کوئی عالم نہیں ہوتا

مرے حسن یقیں میں عجز شامل ہوتا جاتا ہے
میں قرباں ایسے وعدے پر جو مستحکم نہیں ہوتا

حسن اے گیرائی رحمت پہ چھینٹے پھینکنے والے
تجھے معلوم ہے دریا کبھی شبنم نہیں ہوتا

ستم ہے داستانِ لغزشِ آدم کی رسوائی
کبھی محفل میں ذکرِ عظمتِ آدم نہیں ہوتا

اگر ان کی نظر آمادۂ مہر و وفا ہوتی
تو مجھ کو شکوۂ بے مہریٔ عالم نہیں ہوتا

وہی کیفِ نشاط آگیں وہی رعنائی پنہائی
مذاقِ عشق حسنِ یار سے کچھ کم نہیں ہوتا

بہت کچھ ہو چکی ہیں زندگی میں خامیاں پیدا
ضرورت ہے نئے سر سے ہو پھر بزم جہاں پیدا
تغافل در نظر پنہاں شکایت بر زباں پیدا
یہ کیا شے ہو گئی ہے میرے ان کے درمیاں پیدا
چمن میں رونقِ فصلِ بہاراں دیکھنے والے
چمن ہی کے کسی گوشہ سے ہوتی ہے خزاں پیدا
تعجب ہے وہ کیوں کر زندگی کو منہ دکھاتے ہیں
جو دنیا میں ہوئے جینے کو بے نام و نشاں پیدا
وہ ناکام محبت ہوں جسے باوصفِ رسوائی
کوئی ہمدم میسّر ہے نہ کوئی رازداں پیدا

بعنوان خوشی رازِ محن کہنا ہی پڑتا ہے
ترے صدقے بیاباں کو چمن کہنا ہی پڑتا ہے
محبت کو حدیثِ جان و تن کہنا ہی پڑتا ہے
سخن کہیے تو موضوعِ سخن کہنا ہی پڑتا ہے
حکایاتِ خرد مندانہ سن کر ناصحا تجھ سے
فروغِ عقل کو دیوانہ پن کہنا ہی پڑتا ہے
یہ اعلانِ تقدس اور یہ میخوار یاں واعظ
تجھے منجملۂ اربابِ فن کہنا ہی پڑتا ہے
مذاقِ دید کی اس جلوہ سامانی کو کیا کہیے
نظر کی خلوتوں کو انجمن کہنا ہی پڑتا ہے
بدایوں میں شکیلؔ ان مختصر لمحوں سے کیا حاصل
وطن میں آ کے خود کو بے وطن کہنا ہی پڑتا ہے

جام گردش میں ہے در بند ہیں میخانوں کے
کچھ فرشتے ہیں یہاں روپ میں انسانوں کے

شمع کی آگ میں دل جلتے ہیں پروانوں کے
حوصلے دیکھیے اُن سوختہ سامانوں کے

صرف تشہیر ہے شاید مرا افسانۂ غم
آج احباب میں انداز ہیں بیگانوں کے

لذتِ خواب سے بیگانہ ہیں ماہ و انجم
سننے والے ہیں یہ شاید مرے افسانوں کے

فصلِ گل رنگِ چمن دورِ خزاں حسنِ بہار
مختلف نام ہیں ساقی ترے پیمانوں کے

اے مرے ناصحِ خوش فہم ذرا غور سے سن
دوست ناداں ہوا کرتے ہیں نادانوں کے

چن لیا ہے جنہیں گردوں نے سمجھ کر تارے
ہیں شکیلؔ آہ یہ ٹکڑے مرے ارمانوں کے
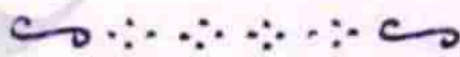
رفعتِ خیال ہے نہ وسعت نظر میں ہے
محدودِ حسنِ یار دلِ بے خبر میں ہے

برگشتگیٔ قسمتِ واعظ نظر میں ہے
سب میکدے میں اور بیچارہ گھر میں ہے

منزل کو پاکے بھی نہ قدم مطمئن ہوئے
کس درجہ پختگی مرے عزمِ سفر میں ہے

دیرینہ غفلتوں کو ذرا یاد کر کے دیکھ
اک شخص اجنبی سا تری رہگزر میں ہے

وہ طالبانِ دید کو کیوں مطمئن کریں
جلوؤں کی آبرو ہی شکستِ نظر میں ہے

بیٹھا ہوں سر جھکائے ہوئے انکی بزم میں
شاید مری نظر بھی ہجومِ نظر میں ہے

دنیا نہ جس کو دیکھ سکی آج تک شکیلؔ
مجھ کو یہ ناز ہے کہ وہ میری نظر میں ہے

دل غمِ جاناں سے لذت آشنا ہونے کو ہے
کافرانہ زندگی کی ابتدا ہونے کو ہے

خانۂ امید بے نور و ضیا ہونے کو ہے
چشمِ تر سے آخری آنسو جدا ہونے کو ہے

یہ بھی اے دل اک فریبِ وعدۂ فردا نہ ہو
روز سنتا ہوں کوئی محشر بپا ہونے کو ہے

پھر بہار و برق کی ہیں گل کدے پر یورشیں
پھر چمن میں عنقریب اک سانحہ ہونے کو ہے

دور ہوں لیکن بتا سکتا ہوں ان کی بزم میں
کیا ہوا کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونے کو ہے

کھل رہی ہے آنکھ اک کافر حسیں کی صبحدم
مے کشو مژدہ درِ میخانہ وا ہونے کو ہے

ترکِ الفت کو زمانہ ہو گیا لیکن شکیلؔ
آج پھر میرا اور اُن کا سامنا ہونے کو ہے

دل کو شبِ غم لطفِ شبینہ ہی نہ آیا
مر مر کے ترے ہجر میں جینا ہی نہ آیا

آغوشِ تلاطم میں سفینہ ہی نہ آیا
ناصح کو محبت کا قرینہ ہی نہ آیا

جب مرے ساقی کی توجہ نہیں مجھ پر
واللہ کہ ساون کا مہینہ ہی نہ آیا

میخانہ درآغوش ہے ہر منظرِ فطرت
نامحرمِ فطرت تجھے پینا ہی نہ آیا

اک بار تو اٹھی تھیں وہ نظریں مری جانب
پھر تذکرۂ ساغر و مینا ہی نہ آیا

جلوے تو شکیلؔ اُن کے ضیا بار تھے لیکن
کام آج مرا دیدۂ بینا ہی نہ آیا

مزاجِ دوست کے سانچے میں ڈھلتا جاتا ہے — قدم قدم پہ زمانہ بدلتا جاتا ہے

خلافِ مصلحت و آگہی ہیں جو راہیں — دلِ حزیں انہیں راہوں پہ چلتا جاتا ہے

وہی ہو تم، وہی میں ہوں، وہی فسانہ مگر — یہ کیا ستم ہے کہ عنواں بدلتا جاتا ہے

نہ جانے کیوں مری رودادِ عشق رفتہ میں — غمِ حیات کا پہلو نکلتا جاتا ہے

اگر نہیں کوئی در پردہ زندگی کے ہمراہ — تو کیا سبب ہے کہ گر کر سنبھلتا جاتا ہے

گمانِ ترکِ وفا ہے ترے تغافل پر — زمانہ وقت سے پہلے بدلتا جاتا ہے

ضرور رقصِ شرر ہے فریبِ عقل و نظر — خوشی خوشی جو یہ پروانہ جلتا جاتا ہے

میں اے شکیلؔ زمانے کے ساتھ کیوں جاؤں
زمانہ خود ہی مرے ساتھ چلتا جاتا ہے

⁂

ہزار قیدِ خزاں سے چھٹ کر بہار کا آسرا کریں گے
بہار بھی ہم قفس زدوں کو نہ راس آئی تو کیا کریں گے

اب اور اس کے سوا نہ ہوگی قفس میں تسکینِ دل کی صورت
چمن کی جانب نظر اٹھا کر کبھی کبھی ہنس لیا کریں گے

یہ کیا خبر تھی کہ شامِ فرقت مرے لیے سازگار ہوگی
وہ ماہ و انجم کی آڑ لے کر مرے فسانے سنا کریں گے

ہمارے مشرب میں تھی نہ جائز درِ حرم کی جبہ سائی
یہ فرض ناخوشگوار لیکن اب ان کی خاطر ادا کریں گے

نگاہ کی بندشیں سلامت، جنوں کی پابندیاں مسلّم
کہیں بھرم کھل گیا تو اے دل میں کیا کروں گا وہ کیا کریں گے
یہ دیکھنا ہے کہ بندِ ترک تعلقات اے شکیؔل کب تک
نہ کوئی ہم پر جفا کرے گا نہ ہم کسی سے وفا کریں گے

موسمِ گل ساتھ لیکر برقِ دوام آ ہی گیا — یعنی اب خطرے میں گلشن کا نظام آ ہی گیا
جستجو، جس پر تصدق وہ مقام آ ہی گیا — اپنی منزل سے میں آگے چند گام آ ہی گیا
وہ نگاہِ مست اٹھی گردش میں جام آ ہی گیا — یعنی وقتِ امتیازِ خاص و عام آ ہی گیا
جو اٹھا کرتے تھے اظہارِ تقدس کے لیے — ان لرزتے کانپتے ہاتھوں میں جام آ ہی گیا
نور و ظلمت پر تبسم کفر و دیں پر قہقہے — زندگی کو نشۂ عمرِ دوام آ ہی گیا
پاسباں کرتے رہے سرگوشیاں ہی اور — اُن کی محفل سے بہ عزّ و احترام آ ہی گیا
جانے کن نظروں سے دیکھا آج ساقی نے مجھے — میں تو یہ سمجھا کہ مجھ تک دَورِ جام آ ہی گیا
اب اسی کو زندگی کہہ لیجیے یا صبحِ مرگ — آنکھ کھولی تھی کہ سر پر وقتِ شام آ ہی گیا
ترکِ مے کو مدتیں گزری ہیں لیکن محتسب — ساقیٔ مہوش اگر آنکش بہ جام آ ہی گیا
ہائے یہ عالم کہ اب ترکِ وفا کے بعد بھی — دل میں ہوک اٹھی نہ اٹھی، لب پہ نام آ ہی گیا

لذّتِ رنگینیٔ اشعار کیا کہیے شکیؔل!
کچھ نہ کچھ احباب کو لطفِ کلام آ ہی گیا

قطعات

جو ایک نظر کی جنبش سے سب دل کی بستی لوٹ گیا!
وہ جس سے آنکھیں چار ہوئیں اور ہاتھ سے ساغر چھوٹ گیا
دل اس کا بھی ہے میرا بھی ہے فرقِ شکیلؔ اتنا لیکن
وہ پتھر ہے جو ثابت ہے یہ شیشہ تھا جو ٹوٹ گیا

وہ گرمیٔ بزمِ عشق گئی وہ مہر و وفا کے گیت گئے!
جب حوصلۂ دل پست نہ تھا ہاں ہاں وہ زمانے بیت گئے
ہم شانِ تحمل پر نازاں تم جَورِ مسلسل پر قایم
لِللہ یہ بازی رہنے دو، ہم ہار گئے تم جیت گئے

پھر دل سرِ راہِ عشق و وفا بے جرأت و بے اسلوب گیا
اس منزل میں ہر صاحبِ دل مجذوب آیا مجذوب گیا
اُف بحرِ محبت بے پایاں وہ بحرِ محبت ہے جس میں
اک ڈوبنے والا تیر گیا اک تیرنے والا ڈوب گیا

پُر کیف بہاریں آ نہ سکیں پُر لطف نظارے ہو نہ سکے
دورِ رنگیں چل نہ سکا فطرت کے اشارے ہو نہ سکے

عالم بھی وہی ہے دل بھی وہی تقدیر کو لیکن کیا کہیے
ہم آپ کے تھے، ہم آپ کے ہیں، ہاں آپ ہمارے ہو نہ سکے

⁂ ⁂ ⁂

انسان کی فطرت کیا کہیے مشکل سا فسانہ ڈھونڈھ لیا
ٹھکرا کے جمودِ ہستی کو جینے کا بہانہ ڈھونڈھ لیا

احساسِ محبت کیا معنی بے باکئ جرأت کیا معنی؟
تقصیر کے نازک پردے میں آدم نے ٹھکانا ڈھونڈھ لیا

⁂ ⁂ ⁂

نظمیں

چور

موسم سرما کی کچھ کچھ ہو چکی تھی ابتدا
شہر پر چھائی ہوئی تھی رات کی کالی گھٹا!
درمیانی حصّۂ شب تھا فضا خاموش تھی
ساری خلقت کیفِ خوابِ ناز سے مدہوش تھی
یا تو پہرہ دار چلّاتے تھے جاگو چور، چور
یا کبھی کتّوں کی آوازوں سے ہو جاتا تھا شور
یا فضا میں گونج اٹھتی تھی ضعیفوں کی کھنکار
ٹوٹ جاتا تھا غرض اس طرح خاموشی کا تار
ہر عمارت ہر در و دیوار ہر اک رہ گزر
بن گئی تھی ہمسرِ شہرِ خموشاں سر بہ سر
پاس کی تحصیل میں بارہ کا جب گھنٹہ بجا
چور اپنی چارپائی سے یکایک اٹھ گیا
گھر سے باہر آ کے اک جانب روانہ ہو گیا
مختصر طولِ شبِ غم کا فسانہ ہو گیا

چل دیا ہے روزگاری کو مٹانے کے لیے
لعنتِ سرمایہ داری کو مٹانے کے لیے
جا رہا تھا جیسے اک دریا میں بیتابانہ موج
پستیاں تھیں مائل پرواز گویا تا بہ اوج
اس کے چہرے سے مسرت کی جھلک تھی آشکار
اس کی نظریں جستجوئے شوق کی آئینہ دار
بڑھ رہا تھا جوشِ تکمیلِ تمنّا دم بہ دم
اٹھ رہا تھا تیز رفتاری سے اس کا ہر قدم
اک دلیرانہ ادا سے دل کو سمجھاتا ہوا
شاہراہ کو چھوڑ کر گلیوں میں کتراتا ہوا
ایک بے حد خوشنما کوٹھی میں داخل ہو گیا
کاروانِ آرزو نزدیک منزل ہو گیا
چور کی حالت یہاں ناقابلِ اظہار تھی
اس کو ہر لحظہ خود اپنے دل کی دھڑکن بار تھی
کر رہا تھا مضطرب انساں کو انسانوں کا خوف
یعنی اس رنگیں عمارت کے نگہبانوں کا خوف
لیکن اک دُھن میں اسے سب خدشے منظور تھے
حوصلہ محفوظ تھا، پھر بھی قدم معذور تھے
دائیں بائیں دیکھ کر کچھ بیٹھ جاتا تھا کبھی
اٹھ کے پھر اپنے کیے پر مسکراتا تھا کبھی

آخر کار آ ہی پہنچا اک کھلی کھڑکی کے پاس
اس پہ چڑھ کر آ گیا اندر بصد خوف و ہراس

کچھ نہ پوچھو کیا وہاں جا کر نظر آیا اسے
حسن خوابیدہ کا اک منظر نظر آیا اسے

نیلے نیلے بلب کی وہ ہلکی ہلکی روشنی
جیسے اک صحنِ چمن میں چاندنی چھٹکی ہوئی

تھا یہ کمرہ اک نمونہ گوشۂ فردوس کا
جس میں صرف خواب تھی اک مہ جبین و مہ لقا

وہ سراپا مطلعِ انوارِ حسنِ لاجواب
چرخ سے گویا اتر کر آ گیا تھا ماہتاب

وہ مکمّل حسن از سر تا بہ پا مست شباب
وہ مجسّم برق سرکائے ہوئے رخ سے نقاب

اس کی صورت تھی مکمل ایک صورت نور کی
دیکھنے والے کے حق میں جیسے تجلی طور کی

مٹ گئیں ساری امیدیں اک ہزیمت خور کی
انقلابِ عزم نے دنیا بدل دی چور کی

دستِ بے قابو سے اب دامانِ ہمت چھٹ گیا
لوٹنے والا خود اک ظالم کے ہاتھوں لٹ گیا

حاصلِ ذوقِ نظر تھیں حیرتیں ہی حیرتیں
اک تماشہ بن کے دل پر چھا گئی تھیں غیرتیں

اِس طرف غرقِ ندامت دیدۂ پُر آب تھا
اُس طرف اک پیکرِ معصوم محوِ خواب تھا
اس طرف محشر بداماں عشق کی پرچھائیاں
اُس طرف جنت بداماں حُسن کی رعنائیاں
اس طرف اک آن میں ہر حوصلہ گم ہوگیا
اُس طرف اک فتنہ گر فتنے جگا کر سو گیا
بیخودیٔ شوق میں پڑنے لگے الٹے قدم
آگیا کھڑکی سے باہر چور باجاہ و حشم
کیا چُرانے کو گیا تھا کیا چُرا کر لے چلا
دیدۂ حیرت میں اک جلوہ چرا کر لے چلا
اس کو ساری دولتوں سے بڑھ کے دولت مل گئی
مال و زر لینے کو آیا تھا محبت مل گئی

تصادم

وہ صد رشکِ جنت وہ گلزار دہلی
وہ مجموعۂ حسن وہ انوار دہلی
وہ دہلی جو فردوس ہندوستاں ہے
وہ دہلی کہ جس کی زمیں آسماں ہے
وہی جس نے دیکھے ہیں لاکھوں زمانے
سنے ہیں بہت انقلابی فسانے
جہاں دفن ہیں سینکڑوں تاج والے
دو روزہ حکومت کی معراج والے

جہاں شمع جلتی ہے دھیمی سی ضو کی | جہاں جلوہ ریزی ہے تہذیبِ نو کی
وہیں کی یہ دل دوز روداد سنیے | بیانِ الم ذکرِ بیداد سنیے
شفق سہ پہر کی ڈھلکنے لگی تھی | سیاہی فضاؤں پہ چھانے لگی تھی
دکھانے کو تھا جلوہ حسنِ مکمل | اٹھانے کو تھا رخ سے مہتاب آنچل
فلک پر ستارے چمکنے لگے تھے | محبت کے مارے بہکنے لگے تھے
ادھر نور تھا، آسماں کی جبیں پر | ادھر ہر طرف دلکشی تھی زمیں پر
وہ بازار کی خوشنما جگمگاہٹ | وہ گوش آشنا چلنے پھرنے کی آہٹ
سرِ راہ وہ بجلیوں کی بہاریں | دکانات کی وہ دورویہ قطاریں
یہ منظر بھی تھا کس قدر کیف ساماں | خدا کی خدائی تھی جنت بداماں
سڑک پر کوئی رہروِ کوئے جاناں | چلا جا رہا تھا خراماں خراماں
کسی خاص عالم میں کھویا ہوا سا | خیالوں کے دریا میں ڈوبا ہوا سا
کشادہ جبیں پر وہ آثارِ عظمت | نظر دے رہی تھی نویدِ محبت
ادھر راہ پر نوجواں جا رہا تھا | ادھر ایک موٹر چلا آ رہا تھا
یہ گاڑی نہ تھی جو چلی آ رہی تھی | حقیقت میں جنت کھنچی آ رہی تھی
کوئی کیا بتائے کہ جنت میں کیا تھا | وہی تھا جو اب تک نہ دیکھا ہوا تھا
وہ حسنِ مکمل وہ برقِ مجسم | وہ جس کے تصور سے بھی دور ہو غم
وہ اک پیکرِ سادگی اللہ اللہ | وہ نازک لبوں پر ہنسی اللہ اللہ
سراپا محبت سراپا جوانی! | ستم اس پہ ساڑی کا رنگ آسمانی
وہ رہ رہ کے آنچل اٹھانے کا عالم | وہ ہنس ہنس کے موٹر چلانے کا عالم

یہ عالم بظاہر فریبِ نظر تھا
کہ بس ایک لمحے میں رنگِ دگر تھا

نہ بشاش چہرہ نہ لب پر تبسم
سکوتِ آشنا تھی ادائے تکلّم

گراں باریاں دل کو برما گئی تھیں
نگاہوں پہ تاریکیاں چھا گئی تھیں

ہوئے صنفِ نازک کے ہوش و خرد گم
زباں نے پکارا تصادم تصادم

یہ منظر بھی تھا کس قدر وحشت افزا
کہ موٹر سرِ راہ ٹھہرا ہوا تھا

دگرگوں تھی حالت تماشائیوں کی
خبر تھی انہیں دل کی گہرائیوں کی

اِدھر نوجواں خوں بداماں پڑا تھا
ادھر ایک معصوم قاتل کھڑا تھا

ادھر روح عزمِ سفر کر چکی تھی
ادھر دل پہ وحشت اثر کر چکی تھی

اِدھر موت خود زندگی اصل میں تھی
اُدھر زندگی موت کی شکل میں تھی

غرض کھل گئی اصلیت حادثے کے
ہوئی مرنے والے کی جامہ تلاشی

پسِ جیبِ قاتل کی تصویر نکلی
علاوہ ازیں ایک تحریر نکلی

تسلّی ہوئی جان میں جان آئی
جو پرچہ پہ لکھی عبارت یہ پائی

جفائے مسلسل سے چکرا گیا تھا
میں خود جا کے موٹر سے ٹکرا گیا تھا

نمائش علی گڑھ

شفق نزع میں لے رہی تھی سنبھالا
اندھیرے کا غم کھا رہا تھا اُجالا

ستاروں کے رخ سے نقاب اٹھ رہی تھی
فضاؤں سے موجِ شباب اٹھ رہی تھی

مے زندگی جام مے نوش میں تھی — نمائش علی گڑھ کے آغوش میں تھی

وہ کیفِ مسرت وہ لمحاتِ رنگیں — وہ احساس مستی وہ جذبات رنگیں

وہ پُرکیف عالم وہ دلکش نظارے — وہ جلوؤں کے بہتے ہوئے خشک دھارے

وہ نمکین آغازِ شب اللہ اللہ — نمائش کی وہ تاب و تب اللہ اللہ

وہ بابِ مزمل پہ جشنِ چراغاں — فلک پر ہوں جیسے ستارے درخشاں

فضاؤں میں گونجے ہوئے وہ ترانے — وہ جاں بخش نغمے وہ پُرلطف گانے

وہ ہر سمت حسن و لطافت کی جانیں — وہ آراستہ صاف ستھری دکانیں

کہیں پر ہے نظارہ کاری گری کا — کہیں گرم ہوٹل ہے پشاوری کا

بقدرِ سکوں وہ دلوں کا بہلنا — امیروں غریبوں کا یک جا ٹہلنا

نمایاں نمایاں وہ یاران کالج — وہ عشرت بداماں جوانانِ کالج

کوئی تیز دستی و چستی پہ نازاں — کوئی صحت و تندرستی پہ نازاں

کوئی حُسن کی جلوہ ریزی پہ مائل — کوئی شوخ نظروں کی تیزی پہ مائل

اِدھر چشمِ حیراں کی نظارہ سازی — اُدھر حسن والوں کی جلوہ طرازی

خراماں خراماں وہ ہمجولیوں میں — نکلتی ہوئی مختلف ٹولیوں میں

نقابوں میں وہ بے نقابی کا عالم — جو لاتا ہے دل پر خرابی کا عالم

کسی کا وہ چہرے سے آنچل اٹھانا — کسی کا کسی سے نگاہیں چرانا

کبھی یک بیک چلتے چلتے ٹھہرنا — نگاہوں سے جلووں کی اصلاح کرنا

کبھی اک توجہ دکانوں کی جانب — کبھی اک نظر نوجوانوں کی جانب

تماشا غرض کامیاب آرہا تھا — نمائش پہ گویا شباب آرہا تھا

اِدھر ہم بھی بزمِ تخیل سجا کر
کھڑے ہو گئے ایک دوکاں پہ آکر

نظر مل گئی دفعتاً اک نظر سے
دھڑکنے لگا دل محبت کے ڈر سے

ادھر تو نظر سے جبیں سائیاں تھیں
اُدھر سے بھی کچھ ہمت افزائیاں تھیں

خلش کوئی دونوں کو تڑپا گئی تھی
محبت کی منزل قریب آ گئی تھی

خیالات میں اس طرف اک تلاطم
لبوں پر اُدھر ہلکا ہلکا تبسّم

نگاہوں سے عہدِ وفا ہو رہا تھا
اشاروں میں مطلب ادا ہو رہا تھا

ادھر عشق کے بام و در سج رہے تھے
گھڑی میں جو دیکھا تو نو[۱] بج رہے تھے

یکایک جواں[۲] کچھ مرے پاس آئے
جو تھے آستینوں پہ بلّے لگائے

کہا اتنی تکلیف فرمایئے گا
نمائش سے تشریف لے جایئے گا

غرض چل دیئے گھر کو مجبور ہو کر
محبت کے جلوؤں سے معمور ہو کر

ہوئی جا رہی تھی عجب حالتِ دل
کوئی چھین لے جیسے پڑھتے ہیں نادل

ہم اس طرح بابِ مزمّل سے نکلے
لہو جیسے ٹوٹے ہوئے دل سے نکلے

بہر حال اب بھی وہی ہے نمائش
نویدِ طرب دے رہی ہے نمائش!

وہی جشن ہے اور وہی زندگی ہے
مگر جیسے ہر شے میں کوئی کمی ہے

ارے او نگاہوں پہ چھا جانے والی
مرے دل کو رہ رہ کے یاد آنے والی

تری طرح جلوہ نما ہے نمائش
ترے حسن کا آئینہ ہے نمائش

---

[۱] نو بجے کے بعد طلباء کے لیے سیرِ نمائش ممنوع ہو جاتی ہے۔ [۲] جواں سے مراد یونیورسٹی کے براکٹوریل اینٹرس ہیں۔ ۱۲

نمائش میں تیری لطافت ہے پنہاں نمائش میں تیری نزاکت ہے پنہاں

نگاہوں کو ناحق تری جستجو ہے

یقیناً نمائش کے پردے میں تو ہے

ترقیٔ معکوس

کالج میں دوسرا گھنٹہ

کس شان سے آیا ہے ترقی کا زمانہ ہر تلخ حقیقت نظر آتی ہے فسانہ

تہذیب کے لٹتے ہوئے ساماں ہیں نظر میں اخلاق کے گرتے ہوئے ایواں ہیں نظر میں

ہر اہلِ وفا رسم وفا چھوڑ رہا ہے انسان ہی انسان کا دل توڑ رہا ہے

مصروفِ تعیش ہے جوانوں کی جوانی ہیں ان کے لیے خام جو باتیں ہیں پرانی

باتیں بھی نئی، دل بھی نیا، خود بھی نئے ہیں یا لوگ انہیں یورپ سے یہاں چھوڑ گئے ہیں

ڈگری کے سوا اہلِ ہنر کچھ بھی نہیں ہیں کہنے کو تو سب کچھ ہیں مگر کچھ بھی نہیں ہیں

مایوس کن وقت سے تعلیم کی حالت ماتم کدہ علم ہے کالج کی عمارت

طاری ہے فضاؤں پہ سکوتِ غم ہستی ہر اوج کے پردے میں نظر آتی ہے پستی

جو ذرّہ ہے وہ اپنی جگہ مہر بلب ہے کالج کی عمارت ہے کہ ایوانِ طرب ہے

ایک ایسے ہی ایوانِ طرب کی ہے یہ تفسیر ہے جس کی مری نظم کے اشعار میں تصویر

ماحول میں گونجی ہے لرزتی ہوئی آواز اک ختم ہوا دوسرے گھنٹہ کا ہے آغاز

کانوں سے ترقی کی صدا کھیل رہی ہے آنکھوں سے زمانے کی ہوا کھیل رہی ہے

حوروں کے وہ جھرمٹ میں جوانوں کا نکلنا
بدمست نگاہوں کا وہ گر گر کے سنبھلنا

کمرے کو بنایا ہے چمن سینٹ کی بو نے
ہیں قرب میں ہر رنگ کی ساڑی کے نمونے

درجہ ہے کہ بازیچۂ اربابِ محبت
لکچر ہے کہ افسانۂ آدابِ محبت

استاد کے اک سمت جوانوں کی وہ آہیں
اور دوسری جانب وہ ستم کوش نگاہیں

اک سمت وہ ہر سوٹ کی تزئین مکمل
اک سمت وہ شانوں پہ ڈھلکتے ہوئے آنچل

اک سمت وہ ہر آنکھ کے مبہم سے اشارے
اک سمت نگاہوں کے تجسس میں نظارے

اک سمت وہ اعلان کی بناوٹ
اک سمت وہ چہروں پہ محبت کی تراوٹ

اک سمت وہ اظہار خوش اخلاقی ناکام
اک سمت وہ ہلکا سا تبسم پئے انعام

کوئی دلِ شیریں کسی فرہاد کی جانب
کیا خوف کہ نظریں تو ہیں استاد کی جانب

استاد کا یہ حال کہ بس گاتے ہیں اپنی
سنتا ہی نہیں کوئی کہے جاتے ہیں اپنی

لکچر کسی پہلو سے اہم ہو تو بلا سے
منت کشِ ادراک و قلم ہو تو بلا سے

ہے صرف غرض حُسن و نظر سے طلباؑ کو
رد کرے کوئی کس طرح ترقی کی دعا کو

کیا سیکھنے آئے ہیں یہ کیا سیکھ رہے ہیں
کچھ اپنے مضامیں سے جدا سیکھ رہے ہیں

جغرافیہ پڑھتے ہیں کسی کوئے حسیں کا
تاریخ سکھاتی ہے انہیں قصۂ لیلیٰ

ہے فلسفہ ان کے لیے عنوانِ محبت
اردو کا سبق شرحِ گلستانِ محبت

مضمونِ ریاضی میں بھی قابل ہیں یہ حضرات
باقاعدہ گنتے ہیں شبِ ہجر کے لمحات

ہندی کو سمجھتے ہیں یہ سجنی کے ترانے
تھی کس کو خبر ایسے بھی آئیں گے زمانے

یورش ہے جو ماحول پہ اوقاتِ رواں کی
درجے پہ مسلط ہوئی جاتی ہے اداسی

لبھائے مدرس پہ ہے دہرائی ہوئی بات
ہیں دوسرے گھنٹے کے گزرنے کی علامات

وہ لحظہ بہ لحظہ غمِ فرقت کا تصور
وہ خاتمہ درسِ محبت کا تصور
ہر سانس میں ہے جذبۂ خاموش کا عالم
اللہ رے اربابِ جنوں کوش کا عالم
سیری نہ ہوئی تھی ابھی رنگین فضا سے
دل ٹوٹ گیا تیسرے گھنٹے کی صدا سے

زلزلہ

ایک شب ہلکی سی جنبش مجھے محسوس ہوئی
میں یہ سمجھا مرے شانوں کو ہلاتا ہے کوئی
آنکھ اٹھائی تو یہ دیکھا کہ زمیں ہلتی ہے
جس جگہ شے کوئی رکھی ہے وہیں ہلتی ہے
صحن و دیوار کو جنبش ہے تو در ہلتے ہیں
باہر آیا تو یہ دیکھا کہ شجر ہلتے ہیں
کوئی شے جنبشِ پیہم سے نہیں ہے محروم
ایک طاقت ہے پسِ پردہ مگر نامعلوم
چند لمحے بھی یہ نیرنگیٔ عالم نہ رہی
زلزلہ ختم ہوا جنبشِ پیہم نہ رہی
حیرتِ دید سے انگشت بدنداں تھا میں
شاہدِ جلوۂ قہاری یزداں تھا میں
دفعتاً ایک صدا آہ و فغاں کی آئی
میرے اللہ گھڑی کس پہ مصیبت لائی
گل کیا زلزلہ قہر نے کس گھر کا چراغ
کس پہ ڈھایا یہ ستم کس کو دیا ہجر کا داغ
جا کے نزدیک یہ نظارۂ حرماں دیکھا
ایک حسینہ کو بصد حال پریشاں دیکھا
بیضوی شکل میں تھے حسن کے جلوے پنہاں
آنکھ میں سحر بھرا تھا مگر آنسو تھے رواں
میں نے گھبرا کے یہ پوچھا کہ یہ حالت کیوں ہے
تیری ہستی ہدفِ رنج و مصیبت کیوں ہے
بولی اے شاعرِ رنگین طبیعت مت پوچھ
روز و شب دل پہ گزرتی ہی قیامت مت پوچھ

لوگ دنیا کے تری مجھ کو زبیں کہتے ہیں
اہل زر مجھ کو محبت میں حسیں کہتے ہیں

میں انہیں حسن پرستوں کی ہوں تڑپائی ہوئی
تجھ سے کہنے کو یہ راز آئی ہوں گھبرائی ہوئی

زر پرستوں سے ہیں بد دل مری دنیا کے غریب
ہیں گرفتار سلاسل مری دنیا کے غریب

مجھ سے یہ تازہ بلائیں نہیں دیکھی جاتی
ظالموں کی یہ جفائیں نہیں دیکھی جاتی

چاہتی ہوں مرے عشاق میں کچھ فرق نہ ہو
مفت میں کشتیٔ احساس وفا غرق نہ ہو

ایک وہ جس کو میسر ہوں عمارات و نقیب
ایک وہ جس کو نہ ہو پھونس کا چھپر بھی نصیب

صاحب دولت و ذی رتبہ و زردار ہو ایک
بے نوا غمزدہ و بیکس و لاچار ہو ایک

ایک مختار ہو اور رنگ جہانبانی کا
ایک مرقع ہو غم و رنج و پریشانی کا

سخت نفرت ہے مجھے اپنے پرستاروں سے
چھینے لیتے ہیں مجھے میرے طلبگاروں سے

چیرہ دستی کا مٹا دیتی ہیں سب جاہ جلال
حیف صد حیف کہ حائل ہے غریبوں کا خیال

یہ نہ ہوتے تو دکھاتی میں قیامت کا سماں
یہ نہ ہوتے تو مٹاتی میں غرورِ انساں

ایک کروٹ میں بدل دیتی نظام عالم
اک اشارے ہی میں ہو جاتی یہ محفل برہم

اک تبسم سے جہاں برق بداماں ہوتا
نہ یہ آرائشیں ہوتیں نہ یہ ساماں ہوتا

ہر ادا پوچھتی سرمایہ پرستوں کے مزاج
کچھ تو فرمایئے حضرت کہ ہیں کس حال میں آج

لکھ پتی سنکھ پتی بے سروساماں ہوتے
جان بچ جائے بس اس بات کے خواہاں ہوتے

بر سرِ خاک نظر آتے قصور و ایواں
اشک خونیں سے مرے اور بھی اٹھتے طوفاں

میرے آغوش میں سب اہل ستم آجاتے
میرے برتاؤ سے بس ناک میں دم آجاتے

بعض کے منہ غم و آلام سے کالے کرتی
بعض کو موت کی دیوی کے حوالے کرتی

خون زردار ہی مزدور کی مزدوری ہے
میں جو خاموش ہوں یہ باعث مجبوری ہے

میرے آغوش میں جا بر بھی ہیں مجبور بھی ہیں
میرے دامن ہی سے وابستہ یہ مزدور بھی ہیں

ضبط کرتی ہوں جو غم آتا ہے سہہ جاتی ہوں
جوش آتا ہے مگر کانپ کے رہ جاتی ہوں

شبِ رنگیں

فضاؤں پر خوشی چھائی ہوئی تھی
محبت جوش میں آئی ہوئی تھی

نظر پیغام عشرت دے رہی تھی
تمنا کروٹیں سی لے رہی تھی

تعین کی کھلی جاتی تھیں راہیں
پریشاں تھیں ستاروں کی نگاہیں

سکوت شب طلسم رنگ و بو تھا
ترنم ہی ترنم چار سو تھا

چھڑا جاتا تھا ہر نایاب نغمہ
ہوا جاتا تھا خود بیتاب نغمہ

بڑی دل کش صدائیں آ رہی تھی
مسلسل روح کو تڑپا رہی تھی

امیدوں پر مسلّط تھی جوانی
امنگوں پر تھی غالب ناتوانی

تجلی زیر مستی کے اثر سے
اٹھا جاتا تھا ہر پردہ نظر سے

وہ ہر نظّارہ بے تابِ محبت
وہ دستِ دل میں مضرابِ محبت

وہ کیفیات سے معمور ہستی
الٰہی جنس الفت اتنی سستی

معطر تھی فضائے شادمانی
نمایاں تھا نشاطِ کامرانی!

ہر اک ذرّہ سے عریاں تھی جوانی
چھلکتی تھی شرابِ ارغوانی

حصول مدعا سے شاد تھا میں
تمام افکار سے آزاد تھا میں

مرا دل ہمسر گنگ و جمن تھا
مرے سینے میں دریا موجزن تھا

شکیبائی کا دامن چھٹ رہا تھا
محبت کا خزانہ لٹ رہا تھا

جمالِ ہم نشیں پیشِ نظر تھا
مرا دل ماسوا سے بے خبر تھا

وہ اک شوقِ فراواں دونوں جانب
وہ اک احساسِ پنہاں دونوں جانب

اِدھر ہر ہر نفس وقفِ دعا تھا
اُدھر بابِ قبولیت کھلا تھا

اِدھر پاکیزہ جذباتِ محبت
اُدھر پیہم مداراتِ محبت

ادھر اک خود فراموشی کا عالم
اُدھر ہونٹوں پہ خاموشی کا عالم

اِدھر اک رعب سا چھایا ہوا تھا
اُدھر چہرے پہ رنگ آیا ہوا تھا

رخِ پرنور کی وہ جگمگاہٹ
لبوں پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ

تبسم اور قیامت کا تبسم
وہ معصومانہ اندازِ تکلّم

وہ سامانِ سکونِ زندگانی
وہ اظہارِ کمالِ مہربانی

سراپا پیکرِ خلق و محبت۔
مجسّم سادگی و نیک خصلت

ادھر وہ حاصلِ حسنِ دو عالم
ادھر میں کامیابِ سعیٔ پیہم

مسلّط مجھ پہ مدہوشی تھی لیکن
لبوں پر مہرِ خاموشی تھی لیکن

خدا جانے میں کیا کیا کہہ رہا تھا
کوئی لفظوں کا دریا بہہ رہا تھا

فلک پر چاند تارے سن رہے تھے
سکوتِ شب کے مارے سن رہے تھے

نیاز و ناز کا دل سن رہا تھا
چراغِ صبحِ محفل سن رہا تھا

اذانوں کی صدائیں آ رہی تھیں
دعائیں دل سے مانگی جا رہی تھیں

عبادت میں خلل نہ آئے یارب
قیامت تک رہے باقی یہی شب

مگر یہ التجائیں کون سنتا
غریبوں کی دعائیں کون سنتا
نمود مہر عالمتاب توبہ
ہوا منظر کا منظر خواب توبہ

وہی روداد شب یاد آرہی ہے
جو باقی تھی وہ اب یاد آرہی ہے

کہاں ہے آجا

راحتِ بندۂ بے دام کہاں ہے آجا
پیکرِ حُسن سرِ بام کہاں ہے آجا
رونقِ بزمِ مے و جام کہاں ہے آجا
زینتِ جلوہ گہِ عام کہاں ہے آجا
اے امیدِ دلِ ناکام کہاں ہے آجا
تیری فرقت خلل اندازِ سکونِ پیہم
تیری فرقت دلِ مایوس پہ اک طرفہ ستم
تیری فرقت سببِ کاوش و بیداری غم
تو نہیں ہے تو پھر آرام کہاں ہے آجا
شاہد دورِ سیہ بخت و شب تار ہوں میں
خوگرِ نالہ و لذت کشِ آزار ہوں میں
دامِ طوفانِ حوادث میں گرفتار ہوں میں
روز و شب منتظرِ دیدِ رخِ یار ہوں میں
دل دفِ غم و آلام کہاں ہے آجا
شعلہ بر کف ہے گلِ داغِ جگر تیرے بغیر
خار بر دوش ہے دامانِ نظر تیرے بغیر
خوں فشاں ہے شبِ غم دیدۂ تر تیرے بغیر
چین آتا ہے نہیں شام و سحر تیرے بغیر
منتظر ہوں سحر و شام کہاں ہے آجا
دور تاریکیٔ غم سے شبِ تنہائی سے
دم بدم جوشِ جنوں کی ستم آرائی سے
کعبہ و دیر و کلیسا کی جبیں سائی سے
خوفِ مجبوری و ناکامی و رسوائی سے
عشق ہے لرزہ بر اندام کہاں ہے آجا

منتشر ہونے لگی انجمن ناز حیات
بن گیا خواب ہر اک منظر آغاز حیات
دم شکستہ سا نظر آنے لگا ساز حیات
اب کوئی دم میں ہوا جاتا ہے در راز حیات
آ گیا نزع کا ہنگام کہاں ہے آ جا

مجھے بھول جا

مرے ساتھیا، مجھے بھول جا!
مرے دلربا، مجھے بھول جا!

نہ وہ دل رہا نہ وہ جی رہا
نہ وہ دور عیش و خوشی رہا
نہ وہ ربط و ضبط دلی رہا
نہ وہ اوج تشنہ لبی رہا
نہ وہ ذوق بادہ کشی رہا
نہ وہ شغلِ شیشہ گری رہا
میں الم نواز ہوں آج کل
میں شکستہ ساز ہوں آج کل
میں سراپا راز ہوں آج کل
مجھے اب خیال میں بھی نہ لا
مجھے بھول جا، مجھے بھول جا

مجھے زندگی سے عزیز تر
فقط ایک تیری ہی ذات تھی
تری ہر نگاہ مرے لیے
سبب سکونِ حیات تھی
مری داستان وفا کبھی
تری شرح حسن صفات تھی
مگر اب تو رنگ ہی اور ہے

نہ وہ طرز ہے نہ وہ طور ہے
یہ ستم بھی قابلِ غور ہے
تجھے اپنے حسن کا واسطہ مجھے بھول جا مجھے بھول جا

قسم اضطرابِ حیات کی مجھے خاموشی میں قرار ہے
مرے صحنِ گلشنِ عشق میں نہ خزاں ہے اب نہ بہار ہے
یہی دل تمہارا رونقِ انجمن یہی دل چراغ مزار ہے
مجھے اب سکونِ دگر نہ دے
مجھے اب نوید سحر نہ دے
مجھے اب فریب نظر نہ دے
نہ ہو وہم عشق میں مبتلا مجھے بھول جا، مجھے بھول جا

چاند کی زبانی

بیگانہ ہو کے بزم جہاں دیکھتا ہوں میں دنیائے رنگ و بو کا سماں دیکھتا ہوں میں
انسان کو پستیوں میں نہاں دیکھتا ہوں میں اتنا بلند ہو کے جہاں دیکھتا ہوں میں
روشن ضمیر جیسے کوئی صرفِ دید ہو یوں جلوہ ہائے کون و مکاں دیکھتا ہوں میں
انسان کی مرگ زیست ہے پھولوں کی مرگ زیست عہد بہار و دورِ خزاں دیکھتا ہوں میں

پیش نظر مناظرِ فطرت نگار ہیں
دشت و جبال و آبِ رواں دیکھتا ہوں میں

یہ حسن نظم و نسق یہ تشکیلِ کائنات
معراجِ فکرِ فلسفہ داں دیکھتا ہوں میں

عمرِ جہاں طویل، تو میری طویل تر
ہر ایک نسلِ اہلِ جہاں دیکھتا ہوں میں

سب کچھ نگاہ میں ہے مگر آہ کیا کہوں
برہم نظامِ بزمِ جہاں دیکھتا ہوں میں

عالم ہے نذرِ آتشِ حرص و ہوس تمام
اٹھتا ہوا فضا میں دھواں دیکھتا ہوں میں

ارزاں ہے ظلم و جور کی افتادگی مگر
جنسِ وفا و مہر، گراں دیکھتا ہوں میں

اک سمت جشنِ شادی و ہنگامۂ نشاط
اک سمت حشرِ آہ و فغاں دیکھتا ہوں میں

کاہل وجود و بے عمل و بے اصول ہے
ہندوستاں میں جس کو جواں دیکھتا ہوں میں

شرحِ الم دراز ہے القصہ اے شکیل
اک داغ اپنے دل میں نہاں دیکھتا ہوں میں

رقاصۂ حیات سے

پھولوں پہ رقص کر نہ بہاروں پہ رقص کر
گلزارِ ہست و بود میں خاروں پہ رقص کر

ہو کر جمودِ گلشنِ جنت سے بے نیاز
دوزخ کے بے پناہ شراروں پہ رقص کر

شمعِ سحر، فسونِ تبسم، حیاتِ گل
فطرت کے ان عجیب نظاروں پہ رقص کر

تنظیمِ کائنات جنوں کی ہنسی اڑا
اجڑے ہوئے چمن کی بہاروں پہ رقص کر

سہمی ہوئی صدائے دلِ ناتواں نہ سن
بہکی ہوئی نظر کے اشاروں پہ رقص کر

جو مر کے جی رہے ہیں تجھے ان سے کیا غرض
تو اپنے عاشقوں کے مزاروں پہ رقص کر

ہر ہر ادا ہو روح کی گہرائیوں میں گم — یوں رنگ و بو کی راہگذاروں پہ رقص کر
تو اپنی دھن میں مست ہے تجھکو بتائے کون — تیری زمیں فلک ہے ستاروں پہ رقص کر

اس طرح رقص کر کہ سراپا اثر ہو تو
کوئی نظر اٹھائے تو پیشِ نظر ہو تو

محبت

بزمِ ہستی میں مسرت کے سزاوار تھے ہم — زینتِ انجمن و وقفِ دربار تھے ہم
سربسر محرمِ گنجینۂ اسرار تھے ہم — آہ وہ دن کہ محبت کے پرستار تھے ہم

زیست کو زیست سمجھ کر ہی جیا کرتے تھے — عشرت و کیف کی تجدید کیا کرتے تھے
روز ان مست نگاہوں سے پیا کرتے تھے — دور از تفرقۂ زاہد و مے خوار تھے ہم

ان کی محفل تھی جو سچ پوچھیے جنت اپنی — اُن کی آشفتہ مزاجی تھی قیامت اپنی
ان کی یاد ان کا تصور تھی عبادت اپنی — رحمتیں جن پہ تصدق وہ گنہگار تھے ہم

دل کو نیرنگیٔ عالم سے علاقہ ہی نہ تھا — انقلابات کا احساس گوارا ہی نہ تھا
ان کے سودے کے علاوہ کوئی سودا ہی نہ تھا — جنسِ الطافِ محبت کے خریدار تھے ہم

اپنا افسانہ تھا دنیا کے فسانے سے جدا — ترا ادراک تھا ہستی کے نشانے سے جدا
تھی روش اپنی مگر سارے زمانے سے جدا — دل سے اس رنگ جدائی کے طرفدار تھے ہم

کیا خبر تھی کہ دُکھے دل کی صدا بھی کچھ ہے — کیا خبر تھی کہ زمانے کی ہوا بھی کچھ ہے
کیا خبر تھی کہ محبت کے سوا بھی کچھ ہے — اس قدر ان کی محبت میں گرفتار تھے ہم

دل زمینوں کا خبر کیا تھی دھڑک اٹھے گا
شجرِ دہر کا ہر پتہ کھڑک اٹھے گا

آسماں آگ کے شعلوں سے بھڑک اٹھے گا
جادۂ شوق میں بیگانۂ رفتار تھے ہم

کس کو تھا علم کہ دولت سے ہے پستی کا فروغ
تلخیٔ بادۂ عشرت سے ہے مستی کا فروغ

ہم تو سمجھے تھے محبت سے ہے ہستی کا فروغ
مرکزِ دل پہ رواں صورتِ پرکار تھے ہم

کیا خبر تھی کہ وہ یوں رنگ بدل جائیں گے
سرِ حدِ مہر و مروت سے نکل جائیں گے

صورتِ امن و اماں عہد بھی ٹل جائیں گے
سربسر معتقدِ وعدۂ و اقرار تھے ہم

گلشنِ دہر کی خوں ریز فضاؤں کی قسم
دیوِ بیکار کی پرہول صداؤں کی قسم

حسنِ ظالم کی جنوں کوش جفاؤں کی قسم
آج تک بے خبرِ عالمِ اظہار تھے ہم

گو اٹھانا ہی پڑا ہجر میں داغِ ہستی
لیکن اونچا ہی رہا یوں بھی دماغِ ہستی

پل گئے ان کی بدولت ہی سراغِ ہستی
جتنے مجبور تھے ہم اتنے ہی مختار تھے ہم

بزمِ ہستی میں پتہ دل کا محبت نے دیا
مژدہ نزدیکیٔ منزل کا محبت نے دیا

درس آزادیٔ کامل کا محبت نے دیا
یوں بھی آزادیٔ کامل کے طلبگار تھے ہم

ہچکیاں لینے لگی اب تو غلامی پیہم
کھا رہی ہے نگۂ ناز جوانی کی قسم

یہ محبت کی نوازش ہے محبت کا کرم
جیسے آغازِ محبت ہی سے بیدار تھے ہم

٭٭٭٭٭

علی گڑھ چھوڑنے کے بعد

ہم نشیں رات کی مغموم خموشی میں مجھے
دور کچھ دھیمی سی نغموں کی صدا آتی ہے

جیسے جاتی ہوئی افسردہ جوانی کی پکار
جس کو سن سن کے مری روح لرز جاتی ہے

جیسے گھٹتی ہوئی موجوں کا اترتا ہوا شور
مطربہ جیسے کوئی دور نکل جاتی ہے

یا ہواؤں کا ترنم کسی ویرانے میں
جیسے تنہائی میں دوشیزہ کوئی گاتی ہے

میں بہت غور سے نغمات سنا کرتا ہوں
سچ تو یہ ہے کہ مری جان پہ بن جاتی ہے

بارہا اٹھ کے میں جاتا ہوں صداؤں کی طرف
لیکن اک شے ہے جو واپس مجھے لے آتی ہے

چونک اٹھتا ہوں جب اس خواب سے حیراں ہو کر
پھر مجھے دوسری دنیا ہی نظر آتی ہے

آہ وہ بھوک کے مارے ہوئے افراد حزیں
جن کی صورت پہ قناعت بھی ترس کھاتی ہے

جیسے اجڑی ہوئی محفل کے کچھ افسردہ چراغ
روشنی ہیں جنہیں ہر گام پہ ٹھکراتی ہے

آہ وہ حضرتِ انساں ہی کی روداد ستم
جس کا اظہار بھی کرتے ہوئے شرم آتی ہے

وہ ترانے جو سنا کرتا ہوں تنہائی ہیں
ان ترانوں میں مجھے بوئے وفا آتی ہے

گاؤں گا نغمے وہ تعمیر محبت کے لیے
میکدہ چھوڑ دیا جن کی اشاعت کے لیے

اُن کی تصویر دیکھ کر

آج کیا ہے جو ملا شوخ نگاہوں کو قرار؟ کیا ہوا حسن کی معصوم حیاؤں کا وقار؟
آج کیوں تم مجھے دیکھے ہی چلے جاتے ہو؟

دفعتاً ٹوٹ گیا کس لیے بجتا ہوا ساز؟ کیا ہوئے نغمے وہ اب کیوں نہیں آتی آواز
آج ہونٹوں پہ خموشی ہی خموشی کیوں ہے؟

خوب تدبیر نکالی ہے منانے کی مجھے آتش سوز محبت میں جلانے کی مجھے
بھولے بھالے ہو تو دیدو مرے شکوؤں کا جواب

تم نے کیا پیشتر اپنا نہ بنایا مجھ کو؟ پھر یکایک نہ نگاہوں سے گرایا مجھ کو؟
یہ اگر جھوٹ ہے تو منہ سے کہو، چپ کیوں ہو؟

تم نے کیا دل کو مرے درسِ محبت نہ دیا؟ اور پھر جان کے داغِ غمِ فرقت نہ دیا

یہ اگر جھوٹ ہے تو منہ سے کہو، چپ کیوں ہو؟

تم نے کیا مجھ سے کسی قسم کا وعدہ نہ کیا؟ ایسا وعدہ جو کبھی بھول کے ایفا نہ کیا؟

یہ اگر جھوٹ ہے تو منہ سے کہو، چپ کیوں ہو؟

دے سکے تم نہ مرے ایک بھی شکوے کا جواب اب میں سمجھا کہ ہے کیا رازِ بدامانِ حجاب

واقعی تم کو ندامت ہے جو خاموش ہو تم

یا کسی پردۂ تصویر میں روپوش ہو تم

سورج

صبح دم آب و تاب سے نکلا ذرّے ذرے کو روشنی بخشی

شاہدِ بزمِ رنگ و بو بن کر غنچے غنچے کی آرزو بن کر

ظلمتوں کے حجاب سے نکلا پتّے پتّے کو زندگی بخشی

اپنی پہلی کرن کے شعلے سے آگ سی آسماں پہ بھڑکا دی

جھونپڑوں سے نکل گئے دہقان لگ گئے کار و بار میں انساں

اڑ گئے طائر آشیانے سے رقص کرنے لگی پھر آبادی

جاگ اٹھے نیم خواب ہنگامے — روح لہرا گئی فضاؤں میں
زندگی نے ربابِ غم چھیڑا — نغمۂ عشرت و الم چھیڑا
صورتوں نے بدل لیے جامے — موج گرم آ گئی ہواؤں میں

اوجِ حسن و شباب کیا کہیے — جیسے کوئی حسین زہرہ جبیں
غیض سے ابروؤں پہ بل ڈالے — پھول کی پتیاں مسل ڈالے
قصۂ اضطراب کیا کہیے — فصلِ گلشن تڑپ نہ جائے کہیں

نظر کبر و ناز کا عالم — جیسے اک نازنین دوشیزہ
اپنے عاشق سے روٹھ جاتی ہے — جان کر اس کو پھر ستاتی ہے
یا کوئی تشنہ لب کنیز حرم — آبِ نوریں سے بھرے مشکیزہ

دھوپ میں کام کر رہے جو لوگ — آہ اُن کے عرق عرق چہرے
جیسے مجبور دل کی بے تابی — جیسے فاقہ زدوں کی بے خوابی
کھیتوں کھیتوں گزر رہے ہیں جو لوگ — ان پہ قرباں ہیں نور کے سہرے

آ گئی شام یعنی وقتِ زوال — ہے فضاؤں پہ خاموشی طاری
خون ہی خون ہے نگاہوں میں — قتل کتنے ہوئے ہیں راہوں میں
ایک ظالم کی زندگی کا مآل — سر بہ سر غیرت و ننگوں ساری

تا کجا اے مرقع تنویر　　سلسلہ جور نا کہانی کا
فرق اتنا ہے اوج و پستی میں　　جس قدر نیستی و ہستی میں
ہے یہ انجام حسن عالم گیر　　ماحصل دیکھئے جوانی کا
اوج پا کر شباب ڈوب گیا　　لیجیے آفتاب ڈوب گیا

یاد آیا ہے

آغاز محبت میں اکثر وہ دور بھی آیا کرتے تھے
میں ان میں سمایا کرتا تھا وہ مجھ میں سمایا کرتے تھے
جب جور و ستم کے چہرے پر تھا لطف و عنایت کا غازہ
جب دل کو بھی کرنا مشکل تھا جذبات دروں کا اندازہ
جب پھول سے نازک دل پہ مرے تھا زخم نظر تازہ تازہ
اک بار تبسم فرما کر سو بار ہنسایا کرتے تھے
احساس کی شمعیں جلتی تھیں جب ناز و ادا کی محفل میں
رکھا تھا قدم مدہوشی نے جب ہوش و خرد کی منزل میں
جب فتح محبت پر اپنی مغرور تھے ہم دل ہی دل میں
وہ اور نظر کو شہ دے کر مغرور بنایا کرتے تھے

ہیں یاد ابھی تک دل کو مرے ان کی وہ عنایات پیہم
ہر لمحہ وہ احساساتِ وفا ہر لحظہ وہ صد انداز کرم
وہ عشق و تمنا کی دنیا وہ حسن و محبت کا عالم
جھکتی تھی نظر سجدے کے لیے جب سامنے آیا کرتے تھے

درپیش ہو دردِ ہجر کبھی جب غم کا تقاضا ہوتا تھا
اس دورِ جدائی میں کس کو پھر صبر کا یارا ہوتا تھا
یوں گرمیٔ ربط باہم سے فرقت کا مداوا ہوتا تھا
ملنے کو خود آیا کرتے تھے یا مجھ کو بلایا کرتے تھے

انجم کی جھلک اختر کی ضیا راتوں کو منوّر کرتی تھی
پھولوں کی مہک غنچوں کی ادا ہستی کو معطر کرتی تھی
سازوں کی جھمک نغموں کی صدا عالم مسخر کرتی تھی
نغماتِ حسیں سے ہم دونوں فطرت کو جگایا کرتے تھے

بھولوں گا نہ بھولا ہوں اب تک رخصت کا غم آگیں افسانہ
منہ پھیر کے میری جانب سے آنکھوں میں وہ آنسو بھر لانا
پھر خود ہی دبی آواز سے کچھ تسکین کے جملے فرمانا
سو حشر بھی ہوں جس پر قرباں وہ حشر اٹھایا کرتے تھے

بیتاب جدائی میں ان کی جب اپنی طبیعت ہوتی تھی
کچھ ان کے خطوطِ رنگیں سے تسکین محبت ہوتی تھی
آنکھوں کو دلاسے دے دیکر پوشیدہ وہ صورت ہوتی تھی
تصویر کو فرطِ شوق میں ہم سینہ سے لگایا کرتے تھے

ہوتی تھیں ملاقاتیں ان سے جاڑوں میں ٹھٹھرتی راتوں میں
وہ بات کہاں فصلِ گل میں وہ لطف کہاں برساتوں میں
اک بار نہیں ہر بار سحر ہو جاتی تھی باتوں باتوں میں
تصدیقِ محبت کا عالم دنیا کو دکھایا کرتے تھے

ہے یاد حضورِ داورِ کُل وہ شکر ادا کرنا باہم
نظروں سے ملا کر نظروں کو وہ عہدِ وفا کرنا باہم
تکمیلِ محبت کی خاطر اٹھ اٹھ کے دعا کرنا باہم
تاثیر بلائیں لیتی تھی جب ہاتھ اٹھایا کرتے تھے

ہاں اب یہ حقیقت ہی نہ رہی، ہاں اب یہ فسانہ ہی نہ رہا
ہر چند وہی ہیں ہم دونوں لیکن وہ زمانہ ہی نہ رہا

عہدِ وفا

چراغِ بزمِ تمنّا بجھا نہیں سکتا
میں بھول کر یہ قیامت اٹھا نہیں سکتا
نشاطِ راحتِ ہستی مٹا نہیں سکتا
تمام عمر میں تجھ کو بھلا نہیں سکتا
ترا خیال مرے دل سے جا نہیں سکتا

یہی تو باعثِ ضبطِ فغاں ہے میرے لیے
یہی تو حاصلِ عمرِ رواں ہے میرے لیے
یہی تو زندگیِ جاوداں ہے میرے لیے
یہی تو دولتِ کون و مکاں ہے میرے لیے
ترا خیال مرے دل سے جا نہیں سکتا

شریکِ بزمِ نشاط آفریں رہوں لیکن
اسیرِ دامِ غمِ آتشیں رہوں لیکن
وطن سے دور کہ خانہ نشیں رہوں لیکن
کسی مقام پہ جاؤں کہیں رہوں لیکن
ترا خیال مرے دل سے جا نہیں سکتا

نشاطِ روح وہ آواز ساز بھی نہ رہے   ربابِ عشق میں سوز و گداز بھی نہ رہے
غم و خوشی کا مجھے امتیاز بھی نہ رہے   نگاہِ ناز اگر دل نواز بھی نہ رہے

ترا خیال مرے دل سے جا نہیں سکتا

فریب دے مجھے دنیائی رنگ و بو بھی مگر   جنوں نواز رہے ذوقِ جستجو بھی مگر
بجائے اشک بہے آنکھ سے لہو بھی مگر   خدانخواستہ بچھڑ جائے مجھ سے تو بھی مگر

ترا خیال مرے دل سے جا نہیں سکتا

نیاز و ناز کا وہ ربط باہمی جائے   دلِ حزیں سے نہ مشقِ جفا سہی جائے
سکونِ قلب و جگر، لطفِ زندگی جائے   وفورِ غم میں اگر جان بھی چلی جائے

ترا خیال مرے دل سے جا نہیں سکتا

ترے خیال میں اک سادگی برستی ہے   ترے خیال میں پوشیدہ کیف و مستی ہے
ترے خیال سے قائم سکون ہستی ہے   ترے خیال سے آباد دل کی بستی ہے

ترا خیال مرے دل سے جا نہیں سکتا

ساون کی گھٹائیں

ہم یاد کریں گے .... تمہیں .... ساون کی گھٹائیں
چھا جائے گی جب صحن گلستاں پہ جوانی
فرمائیں گے جب غنچہ و گل بادہ فشانی
جب نغمے سنے جائیں گے فطرت کی زبانی۔ ہم بزم تصور ہی کو آباد کرینگے ... ہم یاد
ہم یاد کریں گے تمہیں .... مخمور فضائیں .... ساون کی گھٹائیں
آجائے گا جب عیش و مسرت کا زمانہ
بن جائے گی جب غم کی حقیقت بھی فسانہ
بوندیں کوئی چھیڑینگی جب آ کے ترانہ، بوندوں کے ترانوں سے ہی دل شاد کرینگے، ہم
ہم یاد کریں گے .... تمہیں .. نغموں کی صدائیں، ساون کی گھٹائیں
جب دل میں سما جائے گی موسم کی لطافت
جب رنگ دکھائے گا ہر اندازِ محبت
جب زیست نظر آئے گی مصروفِ عبادت، ہم شکوۂ ناکامی فریاد کرینگے .... ہم
ہم یاد کریں گے تمہیں .... اوقات دعائیں .... ساون کی گھٹائیں

فصیح الملک داغؔ کے حضور میں

سخن وروں کی ولایت کا تاجدار ہے تو
خدا گواہ کہ یکتائے روزگار ہے تو

زباں کو ناز ہے تجھ پر کہ تیرے گھر کی ہے
وطن کو فخر ہے تجھ پر کہ سحر کار ہے تو

فلک پہ چاند ہے تیری بلندیوں کا گواہ
بہارِ حُسن کی تابندہ یادگار ہے تو

یہی مقام جسے تو نے زینتیں بخشیں
اسی لٹے ہوئے گلزار کی بہار ہے تو

جنابِ سائلؔ دہلوی پہ اٹھ رہی ہے نگاہ
نہاں ہے پھر بھی سرِ بزم آشکار ہے تو

ابھی نگاہ میں ہے شکلِ حضرتِ سیمابؔ
ابھی تو شاخِ نشیمن پہ نغمہ بار ہے تو

ابھی تو پیشِ نظر ہے شبیہ نوحؔ و دلبرؔ
ابھی ہماری محافل میں گرمِ کار ہے تو

ابھی بہت ہیں وہ اربابِ محترم جن کے
لطیف شُستہ تکلّم سے آشکار ہے تو

مگر کچھ آج یہ محسوس ہو رہا ہے مجھے
کہ جیسے گوشۂ تربت میں بیقرار ہے تو

میں جانتا ہوں تری بیقراریوں کا سبب
نئے ادب کے تخیل سے اشکبار ہے تو

نہ وزنِ شعر نہ مطلب نہ قافیہ نہ ردیف
اسی خیال سے محزون نہ مزار ہے تو

اگر یہ سچ ہے تو تجھ کو یقیں دلاتے ہیں
ہمارے دیدہ و دل کا فقط قرار ہے تو

یہ داغ داغؔ کی خاطر مٹا کے چھوڑیں گے
نئے ادب کو فسانہ بنا کے چھوڑیں گے

تعلیم

مکمل مقصدِ تخلیق انساں ہو نہیں سکتا
بغیر علم افشا رازِ پنہاں ہو نہیں سکتا

اسے انساں نہیں کہتے وہ انساں ہو نہیں سکتا
خود اپنی زندگی کا جس کو عرفاں ہو نہیں سکتا

ہلاکت آفریں ہر موج ہے بادِ جہالت کی
جہالت سے کبھی عالم گلستاں ہو نہیں سکتا

اگر تعلیم میں ہم کچھ ترقی کر نہیں سکتے
ترقی کا ہماری کوئی امکاں ہو نہیں سکتا

ہمیں احساس جب تک خود نہ ہوگا اپنی حالت کا
ہمارے حال کا بھی کوئی پرساں ہو نہیں سکتا

اٹھیں اٹھ کر نشاناتِ جہالت کو فنا کر دیں
گوارا اب تو بربادی کا ساماں ہو نہیں سکتا

اگر تعلیم کی مشکل پہ قابو پا نہیں سکتے
تو ہم سے کوئی مشکل کام آساں ہو نہیں سکتا

فروزاں اور کر دیں شمعِ تہذیب و تمدن کو
بغیر اس کے منور قصرِ امکاں ہو نہیں سکتا

حقیقت میں وجود اس کا نہ ہونے کے برابر ہے
جو ذرہ خود چمک کر ماہِ تاباں ہو نہیں سکتا

کریں آراستہ تہذیب سے اپنی نسلوں کو!
تشکیلؔ اس سے زیادہ کوئی احساں ہو نہیں سکتا

نوحۂ اقبال

ملک سخن کا تاجور حال اٹھ گیا
دنیا سے اہلِ علم کا اقبال اٹھ گیا

مہر علوم مغرب اقصیٰ ہوا غروب
مشرق کا چاند نیّرِ اقبال اٹھ گیا

اب ہائے ترجمانِ حقیقت کہیں کسے
حق آشنا بزرگ کہن سال اٹھ گیا

نالاں ہے دور ماضی و مستقبل حیات
مسند نشین انجمن حال اٹھ گیا

اے مرگِ ناگہاں تجھے کیا کہہ کے روئیے
دنیا سے اعتبارِ مہ و سال اٹھ گیا

تھا اس کی مثل کوئی نہ ہوگا اس کی مثل
وہ بے مثال حیف کہ امسال اٹھ گیا

شاعر، ادیب، فلسفی، عارف خدا شناس
مجموعۂ کمال تھا اقبال اٹھ گیا

تھی اس کی شاعری حدِ تخیّل سے بلند
کر کر زمین شعر کو پامال اٹھ گیا

اس کی خوشی کا راز تھا بیداریٔ حیات
خوش طبع، خوش مزاج، خوش اعمال اٹھ گیا

تاریخ انتقال رقم کیجیے شکیلؔ
بدرِ کمال و عزت و اقبال اٹھ گیا

۱۳۵۷ھ
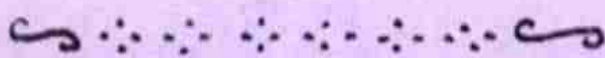
نوحۂ فانی

جہاں والو یہ جورِ آسمانی دیکھتے جاؤ
مصیبت پر مصیبت ناگہانی دیکھتے جاؤ

نگاہوں سے جدا ہیں آج فانی دیکھتے جاؤ
یہ اندازِ فریبِ زندگانی دیکھتے جاؤ

ستم ہے اہلِ احساس و بصیرت اٹھتے جاتے ہیں
متاعِ دیدہ و دل کی گرانی دیکھتے جاؤ

قمر کی مرگِ غم آگیں کا منظر دیکھنے والو
فلک کی دوسری نامہربانی دیکھتے جاؤ

وہ شاعر جس کے منہ سے ہم یہ مصرعہ سننے آئے تھے
"اب اٹھا چاہتی ہے نعش فانی دیکھتے جاؤ"

وہ شاعر جو بہت پُر درد لہجے میں یہ کہتا تھا
"کفن سرکاؤ میری بے زبانی دیکھتے جاؤ"

اسی شاعر کو اب، اک گوشۂ گلزارِ جنت میں
ہم آغوشِ حیاتِ جاودانی دیکھتے جاؤ

شکیلؔ انسان کی بعدِ فنا ہی قدر ہوتی ہے
بڑھے گا اور بھی اعزازِ فانی دیکھتے جاؤ

نوحۂ قمر بدایونی

شرحِ جفائے چرخِ کہن مختصر نہیں　　کس گھر میں آج ماتمِ اہلِ ہنر نہیں
ہوتے ہیں انقلاب جہاں میں نئے نئے　　رنگِ جہاں مگر کبھی نوعِ دگر نہیں
ایجاد جو د اپنے عدم کی دلیل ہے　　روداد مرگ و زیست پہ کس کی نظر نہیں
ہوتی ہے مرنے والوں کی مرنے کے بعد قدر　　گو زندگی میں عزتِ اہلِ ہنر نہیں
ہے مجلسِ ادب صفِ ماتم بنی ہوئی　　افسوس آج بزمِ سخن میں قمر نہیں
وہ جس کا احترام تھا اطرافِ ہند میں　　ہاں ہاں وہی جو بزم میں اب جلوہ گر نہیں
تھی اس کی ذات نازشِ دنیائے شاعری　　کچھ لطفِ شاعری ہی نہیں وہ اگر نہیں
داغِ غمِ قمر سے کلیجہ ہے پاش پاش　　جو مندمل ہو اُف یہ وہ زخمِ جگر نہیں
ہستی پہ ان کی اہلِ بدایوں کو ناز تھا　　کس انجمن میں ذکرِ وصالِ قمر نہیں

نکلی سرِ اجل سے یہ تاریخ اے شکیلؔ
اہلِ سخن میں آج جنابِ قمر نہیں

۱۳۵۹ + ۱ = ۱۳۶۰

شہیدِ کربلا کی یاد میں!!

نظر دا بستۂ ماہِ محرم ہوتی جاتی ہے
سلامی بزمِ ہستی بزمِ ماتم ہوتی جاتی ہے

طبیعت خود بخود دلدادۂ غم ہوتی جاتی ہے
صدائے دل صدائے سوزِ ماتم ہوتی جاتی ہے

ہوائے دہر کی خوننا بہ افشانی ارے توبہ
خزاں برکف بہارِ بزمِ عالم ہوتی جاتی ہے

زمینِ کربلا کے اُف وہ ہیبت ناک نظارے
دلوں سے قدرِ محشر واقعی کم ہوتی جاتی ہے

حریفانِ علیؓ وعدہ خلافی کرتے جاتے ہیں
عداوت، جزو خوئے ابن آدم ہوتی جاتی ہے

ستم بھی اور پھر بھوکے پیاسوں پر ستم توبہ
کلیجہ کانپتا ہے چشم پُرنم ہوتی جاتی ہے

مئے کوثر پلاتے ہیں جنابِ مصطفٰے شاید
علی اصغر کے رونے کی صدا کم ہوتی جاتی ہے

(ختم شد)

کتبہ :۔ لعل محمد خاں

ہماری ادبی کتب!

کتاب	مصنف	قیمت
کلیاتِ اقبال	علامہ اقبال	۱۲/-
" جگر	جگر مرادآبادی	۱۰/-
" فانی	فانی بدایونی	۱۰/-
" حسرت	حسرت موہانی	۱۵/-
" فیض	فیض احمد	۹/-
" شکیل	شکیل بدایونی	۸/-
انداز بیاں اور	راجہ مہدی علی خاں	۵/۵۰
کلام حفیظ	حفیظ جالندھری	۸/-
شعلہ و شبنم	جوش ملیح آبادی	۱۲/-
تاریک سیارہ	اختر الایمان	۶/-
غبار خاطر	مولانا آزاد	۱۲/-
تصوراتِ قرآن	" "	۶/-
قواعد اردو	عبدالحق	۱۰/-
زیرِ لب	صفیہ اختر	۱۲/-
حرفِ آشنا	" "	۱۰/۵۰
تاریخ زبان اردو	شمس اللہ قادری	۷/۵۰
داستان سے افسانے تک	وقار عظیم	۱۵/-

صنم و حرم
شکیل بدایونی

نعت

تمنّا ہے کہ مرتے وقت بھی ہم مسکراتے ہوں
زباں پر یا محمد ہو جب اس دنیا سے جاتے ہوں

بنے اے کاش اس دم سازِ ہستی آخری ہچکی
فرشتے نغمۂ صلِّ علیٰ جب گنگناتے ہوں

مزہ جب ہے کہ ہم دیوانہ وار ان کی طرف جائیں
اشاروں سے شہِ ہر دوسرا ہم کو بلاتے ہوں

شبِ فرقت کہ ان رنگینیوں پر جان و دل صدقے
تمہاری یاد ہو دل میں ستارے جھلملاتے ہوں

نہ کیوں اونچا ہو سارے انبیا سے مرتبہ اُن کا
سفارش کر کے جو امت کو اپنی بخشواتے ہوں

سکوں کی ساعتوں میں کون ان کو بھول سکتا ہے
دمِ مشکل جو ہر اک بے نوا کے کام آتے ہوں

بیاں ہو کیا شکیلؔ اس بزمِ دل کی جلوہ سامانی
حبیبِ کبریا جس بزم میں تشریف لاتے ہوں

. . . .

سلام بحضور امام

سلام ان پر شہید کربلا کہتے ہیں سب جن کو
ضیائے قلب و عینِ مصطفےٰ کہتے ہیں سب جن کو

جنہوں نے جان دیکر کر دیا اسلام کو زندہ
ہے جن کی یاد سے اب تک خدا کا نام تابندہ

وہ جن کی ایک ٹھوکر سے رواں چشمے ہوں کوثر کے
رہے جو تین دن پیاسے مگر سائے میں خنجر کے

انہیں کی ذات والا باعثِ تکمیل ایماں ہے
لقب جن کا حسین ابنِ علی شاہِ شہیداں ہے

نہ کیوں ہر حامیٔ دینِ مبیں بھیجے سلام ان پر
فدا ہیں جان و دل سے سب جان و مال ان پر

یہ وہ تھے جنہوں نے لاج رکھ لی اہل ایماں کی
بڑھا دی دہر میں توقیر ہر مردِ مسلماں کی

بلا شک عام انسانوں سے اونچا ہے مقام ان کا
زمانے کے لیے درسِ مکمّل ہے پیام اُن کا

انھوں نے کر دیا ظاہر حقیقت کس کو کہتے ہیں
شہادت کا ہے کیا مطلب شہادت کس کو کہتے ہیں
کبھی روکے سے بھی طوفاں صداقت رک نہیں سکتا
کسی کا سر کسی انساں کے آگے جھک نہیں سکتا

دیباچہ

یہ سکوت اور یہ بے نقش قدم رہ گزر — دو طرف حد نظر تک یہ درختوں کی قطار
ابتک شاید اس راہ سے کوئی گزرا ہی نہیں — اور جو گزرا تو فقط قافلۂ لیل و نہار
سینۂ راہ پہ گھاس جو اگ آئی ہے — کاش اسے آکے کوئی چھانٹ ہی دیتا اکبار
ورنہ یہ حسن سر راہ کو کر دے گی تباہ — جیسے اس دور میں اک شاعر بے رنگ و بہار
اپنے دیواں کی اشاعت ہو جسے مدِّ نظر — اور دیوان بھی ایسا جو ہو مطلق بیکار
ماحصل جس کا ہو تحصیل زر و نام و نمود — جس دن آئے گا تہ پنجۂ تنقید نگار
پھر یہ اوراق سر راہ بھی پھٹ جائیں گے
گھاس کے ساتھ یہ دیوان بھی چھٹ جائیں گے

لطف بر دوش مسرت بکنار آیا ہوں — چند لمحے تری محفل میں گزار آیا ہوں
جاذب ہے غنچۂ معصوم کی نکہت مجھ میں
گم ہے رنگینیٔ گلزار محبت مجھ میں
بن کے شادابی عنوان بہار آیا ہوں — چند لمحے تری محفل میں گزار آیا ہوں
مری آنکھوں سے ٹپکتی ہے مسلسل مئے ناب — مری مخمور نگاہوں سے امنڈتی ہے شراب

دل میں لے کر اثر کیف خمار آیا ہوں
چند لمحے تری محفل میں گزار آیا ہوں

میں نے دیکھی ہے جنوں کوشیٔ رقص بسمل
میں نے دیکھے ہیں نگاہوں سے الجھتے ہوئے دل

چاک دل چاک نظر سینہ فگار آیا ہوں
چند لمحے تری محفل میں گزار آیا ہوں

اب کہاں دل کو مرے ضبط الم پر قابو
اب کہاں سلسلۂ عشوۂ غم پر قابو

کھو کے محفل میں تری صبر و قرار آیا ہوں
چند لمحے تری محفل میں گزار آیا ہوں

وہی پھولوں کی مسرت وہی غنچوں کی امنگ
وہی مستی وہی عالم وہی خوشبو وہی رنگ

بن کے سرتا بقدم فصلِ بہار آیا ہوں
چند لمحے تری محفل میں گزار آیا ہوں

غم کا احساس محبت کا اثر وقت کی چال
ٹوٹتا ہی نہیں یہ سلسلۂ خواب و خیال

سوچتا ہوں میں کبھی رات کی تنہائی میں
جانے کیا بھید ہے انجمن آرائی میں

حاملِ سوز دروں شمع کی فطرت کیوں ہے
پھولوں کو خندۂ مغموم کی جرأت کیوں ہے

کتنی آنکھوں میں مقید ہیں لہو کے دریا
مضطرب کتنی زبانوں پہ ہے احوال جفا

کتنی مایوس نگاہوں میں فسانے ہیں نہاں
کتنے اترے ہوئے چہروں پہ جنوں ہے رقصاں

کتنی ناکام دعائیں ہیں اثر سے محروم
کتنی بھیگی ہوئی راتیں ہیں سحر سے محروم

سوچتے سوچتے ہوتی ہے طبیعت جو اداس
کوئی چپکے سے یہ کہتا ہے کہ غم کا احساس

غم کا احساس محبت کا اثر وقت کی چال
ٹوٹتا ہی نہیں یہ سلسلۂ خواب و خیال

چونک پڑتا ہوں جب اس خواب سے حیراں ہو کر
اپنے کمرے کی تصویر پہ کرتا ہوں نظر

ان تصاویر کے تخیل میں کھو جاتا ہوں
اور تصاویر سمجھتی ہیں کہ سو جاتا ہوں

آہ یہ شاعر وارفتہ و آوارہ مزاج
جس کی آزاد خیالی نہیں پابند رواج

جس کے قدموں پہ جھکی جاتی ہے شہرت کی جبیں — جس کی ٹھوکر سے ہیں وابستہ زر و مال و زمیں

مجھ کو حیرت ہے ان آنکھوں سے ہیں کیوں اشک رواں — اسکے اشعار میں پوشیدہ ہے کیوں برق تپاں

آہ وہ مضطرب افسردہ آوارہ مزاج — جس کو حاصل ہے سرور ابدی کی معراج

جسکی آواز پہ قرباں ہو امید حیات — جس کا ہر نغمہ تو حاصل تفسیر حیات

اسکے رخ پہ کبھی ہیں آثار پریشانی کے — جانے اسباب ہیں کیا سوختہ سامانی کے

سوچتے سوچتے پڑ جاتی ہے جب دل پہ نظر — کوئی چپکے سے یہ کہتا ہے "محبت کا اثر"

غم کا احساس محبت کا اثر وقت کی چال — ٹوٹتا ہی نہیں یہ سلسلہ خواب و خیال

جب محبت کے کبھی اس راز کو پا لیتا ہوں — جانے کیا سوچ کے اخبار اٹھا لیتا ہوں

پڑھتے پڑھتے کسی طوفان میں بہہ جاتا ہوں — سوچتے سوچتے دل تھام کے رہ جاتا ہوں

آہ دنیا غم و حسرت کے سوا کچھ بھی نہیں
زندگی دام سیاست کے سوا کچھ بھی نہیں

بیکسی یاس، الم درد خلش چیخ و پکار — کہیں ہستی سے محبت کہیں ہستی سے فرار

زر کی جھنکار میں مزدور کی آہیں پنہاں — نقرئی طور میں ناکام نگاہیں پنہاں

زرد چہروں پہ دہکتی ہوئی جذبات کی آگ — خشک ہونٹوں پہ مچلتے ہوئے امید کی آگ

سوچتے سوچتے ہوتی ہے طبیعت جو نڈھال — کان میں چپکے سے کہتا ہے کوئی وقت کی چال

غم کا احساس محبت کا اثر وقت کی چال
ٹوٹتا ہی نہیں یہ سلسلۂ خواب خیال

روزن

بلاؤں نے تجلّی خانۂ ہستی کو گھیرا ہے
جہاں کل روشنی تھی اب اندھیرا ہی اندھیرا ہے
نظر آتی نہیں صورت کسی اپنے پرائے کی
صدائیں صرف سنتا ہوں یہ میرا ہے یہ تیرا ہے
چپکتی ہے مرے تلوؤں سے کیوں بھیگی ہوئی مٹی
لہو ہے یا کسی نے جا بجا پانی بکھیرا ہے
یہ کس کے جسم سے ٹکرا کے ٹھوکر کھا رہا ہوں میں
ابھی اس جسم پر تو فاقہ مستی کا بسیرا ہے
صدائیں گھنگروؤں کی گونج اٹھیں کیوں فضاؤں میں
یقیناً اپنی دولت پر کسی نے ہاتھ پھیرا ہے
ارے یہ روزنِ دیوار میں تابندگی کیسی
کوئی ایسی بھی دنیا ہے جہاں اب تک سویرا ہے

دنیا یہی ہے دنیا یہی ہے

چالاک دنیا، عیّار دنیا، بد خلق دنیا، بد کار دنیا
خونریز دنیا، خونخوار دنیا، حرص و ہوس کی دلدار دنیا
کچھ کہہ رہی ہے کچھ کہہ رہی ہے، دنیا یہی ہے دنیا یہی ہے

ہر سمت نالے، ہر سمت آہیں، مغموم رہرو افسردہ راہیں
جاں سوز اشارے ظالم نگاہیں ویراں کر دیں جس گھر کو چاہیں
افسردگی سی افسردگی ہے، دنیا یہی ہے دنیا یہی ہے

چھوڑی پدر سے اپنی کمائی کیا کچھ دل میں کیا نشے سمائی
بن بیٹھا دشمن بھائی کا بھائی، تھوڑی سی دولت جب دیکھ پائی
رسم محبت سوداگری ہے، دنیا یہی ہے دنیا یہی ہے

دیکھو وہ مجرم پکڑا گیا ہے، زنداں کی سختی اس کی سزا ہے
خلوت میں لیکن عالم جدا ہے، منصف کو مجرم کچھ دے رہا ہے
اب جو کبھی کچھ ہے خانہ پری ہے، دنیا یہی ہے دنیا یہی ہے

وہ دونوں بھائی جینے سے عاری، مظلوم جورِ سرمایہ داری
جن کے سروں پہ ہیں بوجھ بھاری لوٹیں گے گھر کو باآہ و زاری
ماں ان کی گھر پر مردہ پڑی ہے، دنیا یہی ہے دنیا یہی ہے

اس جھونپڑی میں معصوم بچے چلّا رہے ہیں فاقوں کے مارے
لیکن زمیندار ہنستے ہنساتے، وہ جا رہے ہیں دامن بچاکے
غربت پہ خنداں آسودگی ہے، دنیا یہی ہے دنیا یہی ہے

کوٹھے پہ دیکھو نظریں اٹھا کر، وہ اک حسینہ خود کو سجا کر
غمزوں کی ماری عزت مٹا کر، دولت کی خاطر عصمت گرا کر
کس درجہ شاداں بیٹھی ہوئی ہے، دنیا یہی ہے دنیا یہی ہے

ہاں وہ دیکھو دونوں پڑوسی، اک دوسرے کے دشمن ہیں جانی
اس گھر میں ماتم اُس گھر میں شادی، آتش ہزاراں کلفت ہستی
عقل و خرد کیا، دیوانگی ہے، دنیا یہی ہے دنیا یہی ہے

دیکھو وہ کیا ہے، مٹی کا تودہ ہم شکل انساں بے ڈول و فربہ
مکار فطرت، ظالم کمینہ، فطرت میں ہے جس کی خون پینا
دولت میں ناگن بیٹھی ہوئی ہے، دنیا یہی ہے دنیا یہی ہے

دیکھو وہ لیڈر جلسے میں آئے، جنتا نے ان کے نعرے لگائے
مشتاق جلوہ اپنے پرائے، کس کی مصیبت کیا ہائے ہائے
فکر و عمل سے شہرت بھلی ہے، دنیا یہی ہے دنیا یہی ہے

دیکھو وہ ابھرا شاعر ہمارا، فکر و عمل کا لے کے سہارا
اہلِ حسد کو کیوں ہو گوارا، وہ کسمسائے وہ تیر مارا
فطرت میں داخل تنہا روی ہے، دنیا یہی ہے دنیا یہی ہے
محفل کو واعظ تڑپا رہے ہیں، سب کو نصیحت فرما رہے ہیں
"جو" کی حقیقت سمجھا رہے ہیں "والوں" کی عظمت بتلا رہے ہیں
آج ان کے گھر میں مرغی کٹی ہے، دنیا یہی ہے دنیا یہی ہے
ہشیار بیدار اے فاقہ مستو، وقت آگیا ہے جرأت دکھاؤ
برباد کر دو کمزوریوں کو دنیا کہاں ہے یہ مجھ سے پوچھو
اہلِ دوَل کے دل میں چھپی ہے، دنیا یہی ہے دنیا یہی ہے

بے خودی

فضا میں خلفشار ہے زمانہ بیقرار ہے — نہ موسم بہار ہے نہ وقت سازگار ہے
نہ عیش کامگار ہے نہ غم پہ اختیار ہے — سکوں ذلیل و خوار ہے جنوں ہے انتشار ہے
مگر نہیں مگر نہیں مجھے تو کچھ خبر نہیں — مرا یہاں گزر نہیں، نظر مری نظر نہیں
اسیر بے خودی ہوں میں
رہینِ زندگی ہوں میں
مجھے کسی کا ڈر نہیں میں اپنی دھن میں مست ہوں

یہ کون ہے چھپا ہوا مرے دلِ خراب میں
یہ کس کی آرزو ہے گم جہانِ اضطراب میں
یہ کس کا غم ہے رقص کن مسرتوں کے خواب میں
یہ کس کا عکس موجزن ہے ساغرِ شراب میں
سنے کوئی تو کچھ کہوں، مثالِ اشک غم رہوں
ستم سہوں جفا سہوں خموش کس لیے رہوں

مری خوشی مرا الم
سرورِ شوق کیوں ہو کم
مجھے کسی کا ڈر نہیں میں اپنی دھن میں مست ہوں

ربابِ شوق میں ہے گم، شکستِ دل کی ہر صدا
دلیل ربط و ضبط ہے خیالِ ترکِ مدعا
دلِ حزیں میں حسرتیں نظر کو تیرا آسرا!
مری طرف کبھی دیکھ لے کبھی تو میرے ساقیا
اٹھ جا چمن میں آ، گلوں کی انجمن میں آ
جنوں کے پیرہن میں آ، بہار کے وطن میں آ

بہار تک جیوں گا میں
پیوں گا میں پیوں گا میں
مجھے کسی کا ڈر نہیں میں اپنی دھن میں مست ہوں

تصوراتِ زندگی نگاہ کے اثر میں ہیں
وہ ابتدا کے مرحلے ابھی مری نظر میں ہیں
مگر یہ اشک آہ اب جو میرے چشمِ تر میں ہیں
نثار ان پہ دولتیں جو دستِ اہلِ زر میں ہیں
انہیں میں کوئی بات ہے یہی حریمِ ذات ہے
جہاں یہ کائنات ہے جدھر مری حیات ہے

میں سر وہیں جھکاؤں گا
میں وہیں حرم بناؤں گا
مجھے کسی کا ڈر نہیں میں اپنی دھن میں مست ہوں

٭٭٭

شبِ مہتاب

شبِ مہتاب و شامِ زندگانی یاد آتی ہے
مجھے پھر آج اک بھولی کہانی یاد آتی ہے

کسی کا وہ مری خلوت میں شرماتے ہوئے آنا
تلاطم خیز رفتارِ جوانی یاد آتی ہے

دلِ بیتاب کا وہ عالمِ وارفتگی توبہ
نگاہِ شوق کی وہ بے زبانی یاد آتی ہے

لبوں پہ ہائے وہ شکرِ کرم بے لفظ و بے معنی
حواس و ہوش کی وہ سرگرانی یاد آتی ہے

وہ ان کا دفعتاً آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہنا
ہمیں اکثر تمہاری خوش بیانی یاد آتی ہے

وہ اندازِ غزل گوئی تمہارا ہم نہ بھولیں گے
ابھی تک وہ ادائے شعر خوانی یاد آتی ہے

جواباً وہ مرا اُن سے بہ مشکل عرض کر دینا
ہمیں بھی آپ کی وہ قدر دانی یاد آتی ہے

ہوئی تھی جو ہمارے حال پر اشعار کے بدلے
وہ شفقت وہ کرم وہ مہربانی یاد آتی ہے
یہ سب کچھ ہے مگر اے میری دنیا لوٹنے والے
کبھی تجھ کو مرے دل کی کہانی یاد آتی ہے
میرے اشعار کا مطلب کبھی سمجھا ہے کبھی تو نے
مرے جذبات کی کبھی ترجمانی یاد آتی ہے
تری خاطر جلی جاتی ہے جو سوزِ محبت میں
کبھی تجھ کو وہ شمعِ زندگانی یاد آتی ہے
مجھے تو تیری زلفوں کا مہکنا یاد آتا ہے
تجھے بھی میرے اشکوں کی روانی یاد آتی ہے
سنا جب حال دل چہرے پہ یوں رنگِ حجاب آیا
نئے ماحول میں جیسے پرانی یاد آتی ہے
سنبھالا خود کو پہلے پھر کہا شرماتے شرماتے
نہ ہوتی گر کوئی تکلیف تو ہم خلوت میں کیوں آتے

⁂

اک عشق ہی کیا شعلہ فشاں میری غزل میں — پنہاں ہیں رموزِ دو جہاں میری غزل میں
تعمیر کے پہلو ہیں نہاں میری غزل میں — ملتا نہیں رجعت کا نشاں میری غزل میں
دیکھے تو کوئی دیدۂ ادراک و یقیں سے — ہر منظرِ فطرت ہے جواں میری غزل میں

اردو کو جس اندازِ بیاں کی ہے ضرورت ملتا ہے وہ اندازِ بیاں میری غزل میں
بچ بچ کے نگاہِ دلِ اربابِ ہوس سے پائی ہے محبت نے اماں میری غزل میں
محدود نہیں دائرہ رنگِ تغزل ہر شعبۂ ہستی ہے نہاں میری غزل میں
ہر شعر ہے مجموعۂ احساس صداقت ہر لفظ ہے نشتر کی زباں میری غزل میں
منظوم ہے میرے ہی خیالات کی تاریخ کیا ذکر حدیثِ دگراں میری غزل میں
محبوب کی خلوت پہ نظر میرے سخن کی مظلوم کی آہوں کا دھواں میری غزل میں
مسجد کے مراحل کہیں میخانے کی باتیں افسانۂ ہر پیر و جواں میری غزل میں
کچھ سلسلۂ جنگ و دف و بربط و مضراب کچھ تذکرۂ تیغ و سناں میری غزل میں
بھڑکے گی یوں ہی آتشِ ماحول کہاں تک جذبات کے دریا ہیں رواں میری غزل میں

ہے ظلم تنکیلِ اہلِ سیاست کا یہ ورنہ
گنجائشِ تنقیص کہاں میری غزل میں

؎ ::: ؎

وہ یوں کھو کے مجھے پایا کریں گے مرا افسانہ دہرایا کریں گے
ستم اپنے جو یاد آیا کریں گے تو دل ہی دل میں پچھتایا کریں گے
غرورِ حسن کو باطل سمجھ کر سراپا عشق بن جایا کریں گے
نہ ہوگی تابِ ضبطِ غم جب ان کو یقیناً اشک بھر لایا کریں گے
قیامت ہوں گی نازک دل کی آہیں ہر اک ذرّے کو تڑپایا کریں گے
فلک ماتم کرے گا بے کسی پر مہ و انجم ترس کھایا کریں گے
مجھے ہر گام پر ٹھکرانے والے مجھی پر ناز فرمایا کریں گے

نہ ہو گی جب سکوں کی کوئی صورت — کچھ اپنے دل کو سمجھایا کریں گے
ہر اک تدبیر جب ناکام ہو گی — تو مجھ کو روبرو پایا کریں گے
نگاہوں سے ملا کر وہ نگاہیں — یکایک رخ بدل جایا کریں گے
وہی نازِ ادا کی شکل ہو گی — اسی صورت سے شرمایا کریں گے
میں کہتا ہی رہوں گا قصۂ غم — وہ سنتے سنتے سو جایا کریں گے
مگر جب ختم ہو گا عالمِ خواب — نہ پا کر مجھ کو گھبرایا کریں گے

شکیلؔ اپنے لیے لمحاتِ فرصت
پیامِ نو بہ نو لایا کریں گے

مجھے آرزوئے ستم ہی تھی مگر اس نے درسِ وفا دیا
میں نثارِ بخششِ حسن کے مرے ظرف سے کبھی سوا دیا
میں وہ ایک پرتوِ حسن تھا جسے بے رخی نے چھپا دیا
وہ خود آئینے سے تو کیا ہٹے مجھے سامنے سے ہٹا دیا
تری انجمن کی حدود تک مرا دل تھا غافلِ رنگ و بو
ترے ہجر نے غمِ عشق کو غمِ روزگار بنا دیا
مجھے سوزِ طور کا غم نہیں مگر اے تجلیٔ برق زا
جو حجاب روئے جمال تھا وہ نقاب کیوں نہ جلا دیا

یہ گھڑی گھڑی کی شکایتیں یہ دغم کی شکایتیں
دلِ ہوشمند خبر بھی ہے تجھے کس نے درسِ وفا دیا
مرے حال زار کو دیکھ کر سب اٹھاتے ہیں مجھ ہی پہ انگلیاں
وہ حادثات زمانہ نے مجھے اجنبی سا بنا دیا
میں اسے کسی کی وفا لکھوں کہ شکیلؔ عینِ جفا لکھوں
اگر ایک بار ہنسا دیا تو ہزار بار رُلا دیا

٭٭٭

بس اک نگاہِ کرم ہے کافی اگر انہیں پیش و پس نہیں ہے
زہے تمنا کہ میری فطرت اسیرِ حرص و ہوس نہیں ہے
نظر سے صیاد دُور ہو جا یہاں تیرا مجھ پہ بس نہیں ہے
چمن کو برباد کرنے والے یہ آشیاں ہے قفس نہیں ہے
کسی کے جلوے تڑپ رہے ہیں حدودِ ہوش و خرد سے آگے
حدودِ ہوش و خرد سے آگے نگاہ کی دسترس نہیں ہے
جہاں کی نیرنگیوں سے یکسر بدل گئی آشیاں کی صورت
قفس سمجھتی ہیں جن کو نظریں وہ درحقیقت قفس نہیں ہے
کہاں کے نالے کہاں کی آہیں جمی ہیں ان کی طرف نگاہیں
کچھ اس قدر محوِ یاد ہوں میں کہ فرصتِ یک نفس نہیں ہے

قصور عشرت گزشتہ کا حسن تاثیر اللہ اللہ
وہی فضائیں وہی ہوائیں چمن سے کچھ کم قفس نہیں ہے

کسی کی بے اعتنائیوں نے بدل ہی ڈالا نظام گلشن
جو بات پہلے بہار میں تھی وہ بات اب کے برس نہیں ہے

یہ بوئے سنبل یہ خندۂ گل اور آہ یہ دکھ بھری صدائیں
قفس کے اندر چمن ہے شاید چمن کے اندر قفس نہیں ہے

نہ ہوشِ خلوت نہ فکر محفل عیاں ہوا اب کس پہ حالتِ دل
میں آپ ہی اپنا ہم نفس ہوں مرا کوئی ہم نفس نہیں ہے

کریں کبھی کیا شکوۂ زمانہ کہیں کیا درد کا فسانہ
جہاں میں ہیں لاکھ دشمنِ جاں کوئی مسیحا نفس نہیں ہے

سنی ہیں اہلِ جنوں نے اکثر خموشئ مرگ کی صدائیں
سنا یہ تھا کاروانِ ہستی رہین بانگ جرس نہیں ہے

چمن کی آزادیاں مؤخر تصور آشیاں مقدم
غمِ اسیری ہے نامکمل اگر غمِ خار و خس نہیں ہے

نہ کر مجھے شرمسار ناصح میں دل سے مجبور ہوں کہ جس کا
ہے یوں تو کون و مکاں پہ قابو مگر محبت پہ بس نہیں ہے

کہاں وہ امید آمد آمد، کہاں یہ ایفائے عہدِ فردا
جب اعتبار نظر نہ تھا کچھ اب اعتبار نفس نہیں ہے

وہی ہیں نغمے وہی ہیں نالے سن اے مجھے بھول جانے والے
تری سماعت سے دور ہیں یہ جبھی تو نالوں میں رس نہیں ہے

شکیلؔ دنیا میں جس کو دیکھا کچھ اس کی دنیا ہی اور دیکھی
ہزار نقادِ زندگی ہیں مگر کوئی نکتہ رس نہیں ہے

⁂

ان کے بغیر ہم جو گلستاں میں آگئے
محسوس یہ ہوا کہ بیاباں میں آگئے

تشہیرِ دل گرفتگیٔ حسن ہو گئی
آنسو چھلک کے چشمِ پشیماں میں آگئے

ہم ترکِ ربط وضبطِ محبت کے باوجود
سو بار چھپ کے کوچۂ جاناں میں آگئے

پھولوں کو راس نہ آیا جب عرصۂ بہار
گلشن سے ہٹ کے گوشۂ داماں میں آگئے

ہر چند کہ اہلِ ہوش تھے اربابِ زندگی
لیکن فریبِ گردشِ دوراں میں آگئے

آیا مری زباں پہ یکایک جو ان کا نام
کس کس کے ہاتھ میرے گریباں میں آگئے

چھپ کر نگاہِ شوق سے دل میں پناہ لی
دل میں نہ چھپ سکے تو رگِ جاں میں آگئے

تھے منتشر ازل میں جو ذراتِ کوئے دوست
انسان بن کے عالمِ امکاں میں آگئے

جن کی ادا ادا میں ہیں رعنائیاں شکیلؔ
اشعار بن کے وہ مرے دیواں میں آگئے

⁂

نوڑ کے سحر یاد گزشتہ جشن بہاراں کیوں نہ کریں
خواب گلستاں دیکھنے والے عزم گلستاں کیوں نہ کریں
رونق بزم اک چیز ہے لیکن اور ہی ساماں کیوں نہ کریں
گھر میں چراغاں کرنے سے حاصل دل میں چراغاں کیوں نہ کریں
مست گھٹائیں جام بکف مخمور فضائیں توبہ شکن
شان کریمی تو ہی بتا پھر جرأت عصیاں کیوں نہ کریں
حسن مجسم عشق و محبت عشق سراپا جذب و کشش
میری پریشانی کے افسانے ان کو پریشاں کیوں نہ کریں
دیدۂ رخ جاناں کی تلافی یاد رخ جاناں ہی سہی
شام الم جب رنگ دکھائے شمع فروزاں کیوں نہ کریں
موسم گل ہے گل کا جنوں اور گل کا جنوں ہے اپنا جنوں
موسم گل میں ہنس ہنس کر ہم چاک گریباں کیوں نہ کریں
ان کے کبھی آخر سینے میں دل ہے دلمیں خلش بھی ٹیس بھی ہے
پھر وہ قید درد محبت پرسش پنہاں کیوں نہ کریں

فروغ حسن کرم کا حاصل غم جفائے تمام کیوں ہے
سحر کی تابانیاں مسلم مگر یہ پہلو میں شام کیوں ہے
فضائے بے کیفیٔ محبت امین کیف دوام کیوں ہے
اگر نہیں دل کو غم سے راحت تو زندگی شاد کام کیوں ہے

اڑائی واعظ نے چھپ کے پیہم چڑھائی رندوں نے مل کے باہم
یہاں تو یہ سوچتے ہی گزری کہ بادہ نوشی حرام کیوں ہے
نہ ذکرِ عنواں نہ حرفِ مطلب اِدھر خموشی اُدھر تغافل
تو پھر یہ افسانۂ محبت زبان زدِ خاص و عام کیوں ہے
انہیں کو تھی ذکرِ مے سے نفرت یہی تھے زاہد یہی تھے حضرت
ذرا کوئی ان سے یہ تو پوچھے اب ان کے ہاتھوں میں جام کیوں ہے

٭٭٭

یوں برقِ بے اماں کو بچانا ہے ایک دن
خود آشیاں کو آگ لگانا ہے ایک دن
شانِ غرورِ عجز دکھانا ہے ایک دن
سجدوں سے نقشِ پا کو مٹانا ہے ایک دن
حالِ دلِ تباہ سے غافل نہیں ہوں میں
طوفاں سے ناخدا کو بچانا ہے ایک دن
ظالم مری اداسئ رُخ پر نہ مسکرا
تجھ کو بھی اس مقام پہ آنا ہے ایک دن
مدہوشیوں سے کھیل رہا ہوں بہر نفس
یہ سوچ کر کہ ہوش میں آنا ہے ایک دن
یہ بزمِ رنگ و بو ہے کہ ان کی حریمِ ناز
سب کچھ یہیں پہ چھوڑ کے جانا ہے ایک دن

٭٭٭

نہ فروغِ بام کی جستجو نہ ضیائے در کی تلاش ہے
جو کسی کی راہ میں کھو گئی مجھے اس نظر کی تلاش ہے

تجھے پا سکے نہ پا سکے یہ نظر نظر کی تلاش ہے
کہیں ایک لمحے کی جستجو کہیں عمر بھر کی تلاش ہے

غمِ نیرگی سے اُجڑ گئیں وہ تصورات کی محفلیں
کبھی شامِ غم ہی عزیز تھی مگر اب سحر کی تلاش ہے

مری زندگی پہ کرم کریں غمِ روزگار کی تلخیاں
میں خراب کوچۂ دست ہوں مجھے اپنے گھر کی تلاش ہے

میں امینِ منزلِ منفرد درِ عوام سے مجھے ہے کیا
جو نقوش خوردہ پا نہ ہو اسی راہ گزر کی تلاش ہے

میں سرورِ عزم سے بے خبر ہے پائے شوق کی جرأتیں
ابھی کاروانِ حیات کو کسی راہبر کی تلاش ہے

مجھے ایک لحظہ سکوں نہیں یہ تضادِ ہوش تو دیکھیے
کبھی دردِ دل سے ہوں مطمئن کبھی چارہ گر کی تلاش ہے

ان سے امید رونمائی ہے — کیا نگاہوں کی موت آئی ہے
حسن مصروف خود نمائی ہے — عشق کا دور ابتدائی ہے
دل نے غم سے شکست کھائی ہے — عمر رفتہ تری دہائی ہے
دل کی بربادیوں پہ نازاں ہوں — فتح پا کر شکست کھائی ہے
میرے معبد نہیں ہیں دیر و حرم — احتیاطاً جبیں جھکائی ہے

وہ ہوا دے رہے ہیں دامن کی — ہائے کس وقت نیند آئی ہے
کھل گیا ان کی آرزو میں یہ راز — زیست اپنی نہیں پرائی ہے
شمع و پروانہ ہوں کہ غنچہ و گل — زندگی کس کو راس آئی ہے

گل فسردہ چمن اداس شکیلؔ
یوں بھی اکثر بہار آئی ہے

—:—

کبھی تو کام یارب جذبۂ احساس آ جائے
وہ ظالم خود بہ خود گھبرا کے میرے پاس آ جائے
بسر کاش میری گرمیِ انفاس آ جائے
زمانے کو ہوائے زندگانی راس آ جائے
چمن میں یوں تو دھوکے ہیں ہزاروں رنگ کے لیکن
وہی گل ہے کہ جس گل میں تیری باس آ جائے
میں ہر غم سے الجھتا جا رہا ہوں اس توقع پر
کوئی ان میں سے شاید زندگی کو راس آ جائے
تری منزل ورائے منزلِ موہوم ہے اے دل
گزر جانا اگر کوئی مقامِ یاس آ جائے
یقیں کر ناصحِ مشفق جو میں تیری جگہ ہوتا
تو شاید یہ دعا کرتا محبت راس آ جائے

شکیلؔ اپنی محبت ڈھونڈتا ہوں ذرے ذرے میں
تمنا ہے کہ میری چیز میرے پاس آ جائے

جو دل پہ گزرتی ہے وہ سمجھا نہیں سکتے ہم دیکھنے والوں کو نظر آ نہیں سکتے

بے قید و رسوم آئی ہیں گلشن میں بہاریں اب ہاتھ گریباں کی طرف جا نہیں سکتے

رنگینیٔ مستقبل روشن ہے نظر میں ہم تلخیٔ ماحول سے گھبرا نہیں سکتے

مغرور نہ ہو فصلِ خزاں آ کے چمن میں ایسے بھی ہیں کچھ پھول جو مرجھا نہیں سکتے

مانا کہ نگاہوں سے مجھے اپنی وہ گرا دیں لیکن مرے احساس کو ٹھکرا نہیں سکتے

اربابِ خرد لاکھ سبک گام ہوں لیکن بے فیضِ جنوں راہ طلب پا نہیں سکتے

مانا کہ ترے لطف و کرم خواب ہیں لیکن ہر شخص کو یہ خواب نظر آ نہیں سکتے

تفسیرِ دو عالم ہے شکیلؔ اپنا تغزل
میدانِ غزل چھوڑ کے ہم جا نہیں سکتے

ہوئی ایک عمر ترکِ التجا کو مگر ہاتھ اب بھی اٹھتے ہیں دعا کو

انہیں ضد ہے میری عرضِ وفا سے نہ جانے کیا سمجھتے ہیں وفا کو

غرض کی زندگی مطلب کی دنیا کہاں رکھوں دلِ بے مدعا کو

محبت کا یہ تلخ انجام توبہ کوئی آواز دے دے ابتدا کو

جو ہیں کھوئے ہوئے سازِ طرب میں وہ کیا سمجھیں مرے دل کی صدا کو

شکیلؔ اپنی وفا کرتی ہے ہر بار
سلامِ آخری اس بے وفا کو

عروجِ فطرتِ آدم کو رسوا کر رہا ہوں میں
خدا کو بھول کر انساں کو سجدہ کر رہا ہوں میں

سکون و عیش کے ساماں مہیّا کر رہا ہوں میں
حیاتِ چند روزہ پر بھروسہ کر رہا ہوں میں

ترے پردے میں خود اپنی تمنا کر رہا ہوں میں
ارے توبہ محبت کو بھی رسوا کر رہا ہوں میں

غرورِ بے نیازی خود نمائی و خود آرائی
جو تجھ میں ہیں وہی انداز پیدا کر رہا ہوں میں

بجا ترکِ وفا کی کوششیں لیکن تعجب ہے
کہ بے جا زحمتیں کیونکر گوارا کر رہا ہوں میں

ہے اک حسنِ عمل پنہاں دروںِ پردۂ ہستی
کسے معلوم اس پردے میں کیا کیا کر رہا ہوں میں

نہ ہو یارب کبھی تکمیل میرے اس ارادے کی
کہ اب ترکِ محبت کا ارادہ کر رہا ہوں میں

سرِ محشر مجھے شکوہ ہے اک جانِ تمنّا سے
دلیلیں ہوش میں آئیں کہ دعویٰ کر رہا ہوں میں

نہ ساغر ہے نہ پیمانہ، نہ ساقی ہے نہ میخانہ
شکیلؔ اب چند اشکوں پر گزارا کر رہا ہوں میں

جو نظر ہے مطمئن ہے جو نفس ہے شاد ماں ہے
کہ بقیدِ جورِ پیہم کوئی مجھ پہ مہرباں ہے

تری اک نظر کا حاصل عدم و وجودِ جاں ہے
کہیں زندگی کا عالم کہیں مرگ ناگہاں ہے

ترے حسنِ ضو فگن سے یہ فروغِ گلستاں ہے
نہ ہو جس میں تیرا پرتو وہ بہار بھی خزاں ہے

مری گفتگو نمایاں ہے بغیر گفتگو بھی
میں سناؤں حالِ دل کیا کہ نظر ہی خود زباں ہے

مرے تیرے سوزِ دل کا نہیں بو الہوس تقابل
مری آگ میں شرر ہیں تری آگ میں دھواں ہے

کبھی پاؤں لڑکھڑائے تو کہا یہ مجھ سے دل نے
وہ چمک رہی ہے منزل وہ غبارِ کارواں ہے

جو ہو اذن اہلِ گلشن تو میں ہر کلی سے کہہ دوں
ترا مضمحل تبسم مرے ذوق پر گراں ہے

یہی رنگ ہے تو کیوں ہو رسائی نا بہ منزل
کہیں اہلِ کارواں ہیں کہیں میرِ کارواں ہے

رہوں ترکِ معصیت میں میں شکیلؔ کیسے قائم
ابھی دل میں ولولے ہیں ابھی آرزو جواں ہے

٭٭٭

آمدِ فصلِ خزاں کا جو نہ امکاں ہوتا
کس قدر حسن پہ مغرور گلستاں ہوتا

آمدِ آثار جو رنگِ شبِ ہجراں ہوتا
کیوں کوئی صبح کے تاروں سے پشیماں ہوتا

کفر و ایماں کی سیاست سے ہے ناکارہ وجود
آدمی کا نام ہوتا اگر انساں ہوتا

کھل گیا تجزیہ غم سے ہر اک رازِ حیات
زیست مبہم تھی اگر دل نہ پریشاں ہوتا

رعنائیِ دلِ سوزاں کو دعا دے ظالم
ورنہ کیوں کر تری محفل میں چراغاں ہوتا

تو نے سوچا کبھی دامن کو بچانے والے
کچھ سکت ہاتھ میں ہوتی تو یہ داماں ہوتا

عزمِ انساں ہے کہ بن جائے فرشتہ لیکن
ہر فرشتے کو یہ حسرت ہے کہ انساں ہوتا

میری فطرت کو کہاں تابِ جمودِ ساحل
وہی کشتی وہی دریا وہی طوفاں ہوتا

سرد ہے انجمنِ شعر تشکیل ان کے بغیر
وہ مرے سامنے آئے ہیں غزل خواں ہو کر

نظروں پہ ستم دل پہ جفا ہو کے رہے گی
ہے جرم محبت تو سزا ہو کے رہے گی

اس درجہ ہو دل ان کی عنایت پہ نہ مغرور
اک دن یہی دو دن کی ہوا ہو کے رہے گی

پہلے سے نہ وہ دل ہیں نہ پہلا سا وہ عالم
اللہ یہ دنیا تری کیا ہو کے رہے گی

اے رہروِ میخانہ تو جنت کا نہ غم کر
جنت ترے قدموں پہ فدا ہو کے رہے گی

اب تو غمِ جاناں بھی سکوں بخش نہیں ہے
کیا یہ بھی خلش دل سے جدا ہو کے رہے گی

کیوں خوش نہ ہو دل بزمِ تصور کی بنا پر
دنیا تو نہیں ہے کہ فنا ہو کے رہے گی

احساس میں شامل ہے اگر حسنِ صداقت
آوازِ دل آوازِ خدا ہو کے رہے گی

اے حسنِ پشیماں مری آنکھوں سے نہ گھبرا
ہر آہ ترے حق میں دعا ہو کے رہے گی

برہم جو شکیلؔ ان کی نظر ہے تو بلا سے
دیکھوں وہ کہاں مجھ سے خفا ہو کے رہے گی

⁂

بہار آئی کسی کا سامنا کرنے کا وقت آیا
سنبھل اے دل کہ اظہارِ وفا کرنیکا وقت آیا

انہیں آمادۂ مہر و وفا کرنے کا وقت آیا
بڑی مدت میں عرضِ مدعا کرنیکا وقت آیا

رواں ہیں اپنے مرکز کی طرف آسودہ امیدیں
ہجومِ یاس کو دل سے جدا کرنیکا وقت آیا

پھر اک گم کردہ راہِ زندگی کو مل گئی منزل
سجودِ شکرِ بے پایاں ادا کرنیکا وقت آیا

کبھی دوری تھی لیکن اب خیالِ خوفِ دوری ہے
فغاں کی ساعتیں گزریں دعا کرنیکا وقت آیا

کہاں تک ختم رہنا درمیاں پر دل کا افسانہ
بالآخر درمیاں سے ابتدا کرنیکا وقت آیا

ہر اک جرمِ محبت اس نگاہِ لطف پر صدقے
نویدِ عافیت لیکر خطا کرنیکا وقت آیا

نگاہ و دل سے اب تفسیر و شرح آرزو ہو گی   زبان و لب سے ترکِ التجا کرنے کا وقت آیا
وہ آتے ہیں شکیلؔ اب اپنے دل سے ہاتھ دھو بیٹھو
نگاہِ ناز کی قیمت ادا کرنے کا وقت آیا

٭٭٭

اللہ اللہ مقامِ ضبطِ الم   ڈگمگانے ہیں زندگی کے قدم
سعیِ تشریحِ آرزو کی قسم   محرمِ آرزو نہ تم ہو نہ ہم
کھولنا تھا حیاتِ نو کا بھرم   اک بہانہ تھی لغزشِ آدم
ہیں زمانہ میں عام جور و ستم   لیکن اب تک زمیں ہے زیرِ قدم
موجِ انفاسِ زاہداں توبہ   بجھ نہ جائے کہیں چراغِ حرم
زندگی ہے دوائے مرگ و حیات   میں نہیں قائلِ وجود و عدم
ہوشیار اے حسین سجدہ گزار   مٹ نہ جائے کسی کا نقشِ قدم
اس زمانے میں اور ذکرِ بہار   کس نے دیکھا بہار کا عالم
بھولنے والے یاد ہیں مجھ کو   وہ ترے وعدہ ہائے مستحکم
سائے کی طرح اب زمانہ شکیلؔ
چل رہا ہے مرے قدم بہ قدم

٭٭٭

برائے نام جہاں دورِ بے سرور چلیں
شکیلؔ کیوں نہ ہم اس میکدے سے دور چلیں

نہ سمتِ وادیٔ آئیمن نہ سوئے طور چلیں
نگاہِ دل پہ جمائے ترے حضور چلیں

اس انجمن میں ریاکاریاں ہیں شاملِ عجز
چلو یہاں سے بصد نخوت و غرور چلیں

نسیمِ صبح میں نکہت نہ پھول میں خوشبو
یہی چمن ہے تو ایسے چمن سے دور چلیں

جو قدرِ حسن نہ جانیں مری طرف آئیں
جو رازِ عشق نہ سمجھیں ترے حضور چلیں

رفیقِ راہ نہ ہوں رہروانِ سست قدم
جو ساتھ دے نہیں سکتے وہ ہم سے دور چلیں

یہ میکدہ ہے یہ مسجد ہے حضرتِ واعظ
یہ دیکھنا ہے کہ اب کس طرف حضور چلیں

ہمارے سائے پہ بھی رشک تھا جنہیں شکیل
خدا کی شان وہ اب ہم سے دور دور چلیں

٭٭٭

نہ ساقی نہ مطرب نہ ساغر نہ پینا — گوارا ہو کیوں بے حیا بن کے جینا
ہر اک قطرہ خنجر ہر اک بوند نشتر — یہ آنسو ہیں یا زندگی کا پسینا
تلاطم سے زور آزما کر تو دیکھو — بلا سے اگر ڈوب جائے سفینا
شفق جس کو سمجھے ہوئے ہیں نگاہیں — ہے فطرت کے ہاتھوں میں سرخ آبگینا

چلو ان سے عرضِ وفا کر تو دیکھیں　　وہ دادِ محبت نہ دیں گے یہی نا
بدلتا ہے ہر سانس کے ساتھ عالم　　زمانہ ہی خود ہے ترقی کا زینا
شکیلؔ اکثر احباب کا ہے یہ عالم
زباں پر حدیثِ وفا دل میں کینا

٭٭٭

یارب غرورِ حسن کو رسوا نہ کر سکوں　　ہمت نابِ دید کبھی تو نظارہ نہ کر سکوں
اے جبرِ عشق مجھ کو عطا کر وہ اعتماد　　ناکامیٔ حیات کی پروا نہ کر سکوں
دیکھا ہے میں نے حسنِ گریزاں کو ملتفت　　کیوں امتیازِ شبنم و دریا نہ کر سکوں
درمانِ زندگی تو مرے بس کی بات ہے　　وہ درد ہے کہ جس کا مداوا نہ کر سکوں
حائل حجابِ خلوتِ ہجراں سہی مگر　　شاید تری نگاہ سے پردا نہ کر سکوں
باوصف اشک و آہ بہ ایں حشرِ اضطراب　　ممکن ترے غم کو میں رسوا نہ کر سکوں
ہو جائیں ترکِ شوق میں آسانیاں اگر　　عجلت ہو اس قدر کہ ارادہ نہ کر سکوں
عالم محبتوں کا یہی ہے تو ایک دن　　شاید یہ تذکرے کبھی گوارا نہ کر سکوں
دل کے تو ہیمات ہیں سب ورنہ اے شکیلؔ
میں اور ان سے عرضِ تمنا نہ کر سکوں

٭٭٭

اثر دکھائے گی سعیٔ گراں کبھی نہ کبھی　　بدل ہی جائے گا نظمِ جہاں کبھی نہ کبھی
بہار ہو کے رہے گی عیاں کبھی نہ کبھی　　چمن کو چھوڑ ہی دے گی خزاں کبھی نہ کبھی

دل اس سراپا سے رہ سکے گا نہ دور ہ کیں کو ڈھونڈ ہی لیگا مکاں کبھی نہ کبھی
شباب فصلِ بہاراں پہ جھومنے والے غمِ بہار بھی ہو گا جواں کبھی نہ کبھی
کہاں تک اے دلِ مضطر فریبِ تابِ سکوت الجھ پڑے گی نظر سے زباں کبھی نہ کبھی
فراق و درد و غمِ عشق سے خذر کب تک وہ چل ہی دیں گے پس کارواں کبھی نہ کبھی
غرورِ تیز روی سے نہ مطمئن ہو بشر رکے گا توسنِ عمرِ رواں کبھی نہ کبھی
یقین ہے کہ وہ بیتابیوں سے تنگ آکر کریں گے پرسشِ دردِ نہاں کبھی نہ کبھی
نہ آئے حرف کہیں ترکِ آرزو پہ شکیلؔ
وہ ہوں گے مصلحتاً مہرباں کبھی نہ کبھی

—— ٭٭ ——

غمِ عشق رہ گیا ہے غمِ جستجو میں ڈھل کر
وہ نظر سے چھپ گئے ہیں مری زندگی بدل کر
تری گفتگو کو ناصح دلِ غمزدہ سے جل کر
ابھی تک تو سن رہا تھا مگر اب سنبھل سنبھل کر
نہ ملا سراغِ منزل کہیں عمر بھی کسی کو
نظر آ گئی ہے منزل کہیں دو قدم ہی چل کر
غمِ عمرِ مختصر سے ابھی بے خبر ہیں کلیاں
نہ چمن میں پھینک دینا کسی پھول کو مسل کر

ہیں کسی کے منتظر ہم مگر اے امیدِ مبہم
کہیں وقت رہ نہ جائے یونہی کروٹیں بدل کر

مرے دل کو راس آیا نہ جمودِ غیر فانی
ملی راہِ زندگانی مجھے خلد سے نکل کر

مری تیز گامیوں سے نہیں برق کو بھی نسبت
کہیں کھو نہ جائے دنیا مرے ساتھ ساتھ چل کر

کبھی یک بہ یک توجہ کبھی دفعتاً تغافل
مجھے آزما رہا ہے کوئی رخ بدل بدل کر

ہیں شکیلؔ زندگی میں یہ جو وسعتیں نمایاں
انہیں وسعتوں سے پیدا کوئی عالمِ غزل کر

ہر جذبۂ غم کی تلخی میں اک مستیٔ پنہاں دیکھیں گے
جو گردشِ دوراں دیکھ چکے کیا گردشِ دوراں دیکھیں گے

ہر بار ہماری جانب سے تجدیدِ محبت کیا معنی
اک دن تری نیچی نظروں کو خود سلسلہ جنباں دیکھیں گے

سمجھے تھے کہ تو اے پردہ نشیں ادراک و یقیں کی حد میں نہیں
لیکن یہ کیا خبر تھی کہ تجھے نزدیکِ رگِ جاں دیکھیں گے

اے ہم نفسو مایوس نہ ہو ٹوٹا وہ طلسمِ قیدِ نفس
اک بار ذرا پھر مل جل کر کہہ دو کہ گلستاں دیکھیں گے

محسوس کچھ ایسا ہوتا ہے دنیا کو سمجھ کر رشکِ ارم
جیسے کوئی مجھ سے کہتا ہو پھر لغزشِ انساں دیکھیں گے

سب رونقِ گلشن خاک ہوئی لیکن نہ گئی پھولوں کی ہنسی
شاید ہے انہیں یہ خوش فہمی پھر فصلِ بہاراں دیکھیں گے

ہے خواہش لطفِ بے پایاں لیکن یہ کوئی ان سے کہہ دے
تکمیلِ طلب منظور نہیں ہم وسعتِ داماں دیکھیں گے

ہے ان کو طلب منظور تو دل ہر جلوہ کا مسکن بن جائے
اس گھر کو وہ اپنا سمجھیں گے جس گھر میں چراغاں دیکھیں گے

تجدیدِ وفا کے سائے میں نیند آ ہی گئی دیوانوں کو
محسوس کچھ ایسا ہوتا ہے پھر خوابِ پریشاں دیکھیں گے

آجائے تسلی اک بار کوئی برہم ہے اگر برہم ہی سہی
ہستی کے شکستہ ساز پہ ہم فطرت کو غزل خواں دیکھیں گے

یں کہ دور ہوں راہِ وفا سے ہم
بہکے کبھی گر کبھی تو انہیں کی رضا سے ہم

ا سا ہو چلا ہے کچھ افسانۂ حیات
آؤ کہ اس میں رنگ بھریں ابتدا سے ہم

ے اپنے شوق کی طوفاں پسندیاں
ساحل پہ آکے روٹھ گئے ناخدا سے ہم

ق کی بلندیِ عرفاں تو دیکھنا
راہِ حیات پوچھ رہے ہیں قضا سے ہم

تیار مانگ لی تیرے ستم کی خیر
شرمندہ ہو کر رہ گئے دستِ دعا سے ہم

دفریبیٔ دلِ ناداں ترے نثار
تشبیہ دے رہے ہیں جفا کو وفا سے ہم

کن منزلوں میں ہے خلشِ انتظارِ دوست
اکثر تو چونک اٹھتے ہیں خود اپنی صدا سے
ان کی ندامتوں نے سہارا دیا شکیل
ڈرتے تھے اپنی جرأتِ بے مدعا سے ہم

❊

بے خودی ہے نہ ہوشیاری ہے
بادہ خواری سی بادہ خواری ہے
حسن مصروف پردہ داری ہے
جانے اب کس نظر کی باری ہے
تو نے دیکھی تو ہو گی اے ناصح
وہ محبت جو اختیاری ہے
کم نہیں شورشِ نفس لیکن
زندگی پر جمود طاری ہے
غمِ الفت دل سے ہار چکا
اب غمِ زندگی کی باری ہے
جس چمن میں کبھی نہ آئے بہار
اس چمن کی خزاں ہی پیاری ہے
ہائے وہ بادہ کش کہ جس نے شکیل
زندگی بے پیے گزاری ہے

❊

مآلِ گردشِ دوراں وہ کیا سمجھے وہ کیا جانے
سنے ہوں عمر بھر جس نے گل و بلبل کے افسانے
دکھائیں بندگی عشق کا عالم جو دیوانے
حرم میں حشر برپا ہو تو مڑ جائیں صنم خانے
مری کوتاہ فہمی میری گمنامی کا باعث ہے
جو میں دنیا کو پہچانوں تو دنیا مجھ کو پہچانے

رہِ عشق و وفا میں جو طلب کی وہ بھی اک منزل
جہاں سے بے نیازانہ گزر جاتے ہیں دیوانے
ہوا جاتا ہے کم ذوقِ وفا دورِ ترقی میں
کہ اب جلتے نہیں بے ہوش ہو جاتے ہیں پروانے
محبت آرزو سعیِ مسلسل ذوقِ محرومی
متاعِ زندگی میں بس یہی دو چار افسانے

٭٭٭

اپنی شکایتیں ہیں دلِ بدنصیب سے
اک دن کسی کو دیکھ لیا تھا قریب سے
اکثر بہ زعمِ ترکِ محبت خدا گواہ
گزرا چلا گیا ہوں دیارِ حبیب سے
دستِ خزاں نے بڑھ کر وہیں اسکو چھین لیا
جو پھول گر گیا نگاہِ عندلیب سے
اہلِ سکوں سے کھیل نہ اے موجِ انبساط
اک دن الجھ کے دیکھ کسی غم نصیب سے
نا اہل ناز کو بھی ملے فرصتِ نیاز
میں دور ہٹ گیا جو وہ گزرے قریب سے
یہ کس خطا پہ روٹھ گئی چشمِ التفات
یہ کب کا انتقام لیا مجھ غریب سے
ان کے بغیر بھی ہے وہی زندگی کا دور
حالاتِ زندگی ہیں مگر کچھ عجیب سے
سمجھے ہوئے تھے حسنِ ازل جس کو ہم شکیل
اپنا عکسِ رخ نظر آیا قریب سے

٭٭٭

بے اثر دورِ جام ہے اب تک
زندگی تلخ کام ہے اب تک

نارسا ہر پیام ہے اب تک
پست ذوقِ عوام ہے اب تک

مہرِ تاباں سے کھیلنے والو
مری دنیا سرِ شام ہے اب تک

پینے والے تو کب کے پی بھی گئے
مرے ہاتھوں میں جام ہے اب تک

محبت بے اثر سہی لیکن
قابلِ احترام ہے اب تک

گفتگو ان سے لاکھ بار ہوئی
آرزوئے کلام ہے اب تک

تلخئ غم کی دل کو تاب نہیں
نیند کیوں حرام ہے اب تک

وائے رجعت پسندئ رنداں
قیدِ ظرف و مقام ہے اب تک

شب کی بہار صبح کی ندرت نہ پوچھیے
کتنا حسیں ہے خوابِ محبت نہ پوچھیے

پھولوں کی غم رسیدہ مسرّت نہ پوچھیے
ظاہر میں خندہ زن ہیں حقیقت نہ پوچھیے

وہ دن گئے کہ تھی مجھے پرستش کی آرزو
مجبور ہو کے اب مری حالت نہ پوچھیے

ہاتھوں سے دل کے چھوٹ گیا دامنِ امید
کیا مل گیا جوابِ شکایت نہ پوچھیے

دل کو نہ ہو گی تاب غمِ بے توجہی
لِلّٰلہ داستانِ محبت نہ پوچھیے
یوں دیکھتے ہیں جیسے ادھر دیکھتے نہیں
اس لطفِ بے مطلب کی نزاکت نہ پوچھیے

گلشن ہو پھر تصرفِ دورِ خزاں سے ڈور
یہ مرحلہ نہیں مرے عزمِ جواں سے ڈور!
ہو کیوں حدیثِ دردِ محبت زباں سے دور
رہتا ہے رازِ دل بھی کہیں رازداں سے ڈور
جائے کوئی کہاں درِ میخانہ چھوڑ کر
خلدِ بریں ہے جنتِ اربابِ جاں سے دور
تفریقِ رہروانِ محبت تو دیکھیے
کچھ کارواں کے ساتھ ہیں کچھ کارواں سے دور
ذوقِ جفا کو نخوتِ حسن قبول ہے
شاید کہ اب زمیں نہ رہی آسماں سے دور
اے دل خیالِ ترکِ تمنّا بجا سہی
لیکن یہاں کی بات نہ جائے یہاں سے دور

مجبوریٔ مسرتِ بے کیف کی قسم
فصلِ بہار رہ نہ سکے گی خزاں سے دور
فانی کے شعر سن کے شکیلؔ اس زمین میں
ذوقِ سخن ہے جرأتِ عرضِ بیاں سے دور

ــــ ⁂ ــــ

ہوں دل میں عشرتِ غمِ جاناں لیے ہوئے
صحرا ہے رنگ و بوئے گلستاں لیے ہوئے
ذوقِ گناہ عزم پشیماں لیے ہوئے
کیا کیا ہنر ہیں حضرتِ انساں لیے ہوئے
کفر و خرد کو راس نہ آئے گی زندگی
جب تک جنوں ہے مشعلِ ایماں لیے ہوئے
ہوں ان کے سامنے مگر ان پر نظر نہیں
سعیٔ طلب ہے عزم گریزاں لیے ہوئے
دل کو سکونِ پستیٔ ساحل سے کیا غرض
ہر عزم ہے بلندیٔ طوفاں لیے ہوئے
گلشن کے دل میں آج بھی محفوظ ہیں وہ پھول
مرجھا گئے جو داغِ بہاراں لیے ہوئے
آ ہی گئے وہ عرضِ ندامت کو اے شکیلؔ
لعلیں لبوں پہ خندۂ گریاں لیے ہوئے

ف نگاہِ ناز کی تہمت اٹھائے کون — کچھ دیر کی بہار کو خاطر میں لائے کون
چز کیا ہے دل سے محبت جتائے کون — اپنا جو خود نہ ہو اسے اپنا بنائے کون
ے حضور تجھ سے خفا ہو کے جائے کون — زخمِ دلِ تباہ پہ نشتر لگائے کون
گر حریمِ ناز کے پردوں میں ہے کوئی — لیکن حریمِ ناز کے پردے اٹھائے کون
ں ہاں مجھے تمہارے تغافل کا غم نہیں — اس دَورِ خود دری میں کسے آزمائے کون
جائے لاکھ وقت مگر یہ نہیں قبول — میں دیکھتا رہوں کہ مرے کام آئے کون
سی بہار کس کے سہارے کہاں کے پھول — جب تم نہیں تو دیدہ و دل میں جائے کون
وقِ عمل نہ ذوقِ جنوں ہر طرف سکون — جنت اگر یہی ہے تو جنت میں جائے کون

محفل میں کوئی سوختہ جاں ہی نہیں شکیلؔ
سوز و گداز شمع پہ آنسو بہائے کون

٭٭٭

وقِ لطیف و چشمِ حقیقت نگر کہاں — حسنِ ازل تو عام ہے حسنِ نظر کہاں
رے حضور وسعتِ قلب و نظر کہاں — جو تجھ میں کھو گیا اسے اپنی خبر کہاں
م روحِ زندگی ہے تو غم سے مفر کہاں — جائے گا زندگی سے کوئی روٹھ کر کہاں
ے مصلحت گزارنا عالم شباب کا — اے وقت ناشناس یہ عمر پھر کہاں
اہد کی برہمی کا اثر لیں نہ بادہ خوار — جذبات مشتعل ہوں تو فکر و نظر کہاں
جلوے سما ہی جائیں گے آئے تو کوئی دوست — دامن سے بچ کے جائے گی گردِ سفر کہاں
ہر چند آندھیوں کی ہیں گلشن میں یورشیں — لیکن ابھی شکستِ نسیمِ سحر کہاں

مانا کہ حسن آہ سے ہوتا ہے بیقرار لیکن کسی کی آہ میں اتنا اثر ک
اک روز میں ڈھونڈھ ہی لوں گا جہانِ نو دنیا مجھے تلاش کرے گی مگر ک
ہر لحظہ نا تمام ہے رودادِ غم شکیلؔ
اہلِ نظر کو فرصتِ نقد و نظر کہاں

⁂

فطرت کے حسین نظاروں میں پر کیف خزانے اور بھی ہیں
میخانہ اگر ویراں ہے تو کیا رندوں کے ٹھکانے اور بھی ہیں
آغاز جفا کی تلخی سے گھبرا نہ دل آزار طلب
یہ وقت یہیں پر ختم نہیں کچھ تلخ زمانے اور بھی ہیں
لمحات حسین پرسشِ غم محدود نہیں تا شکوہ کرم
بے لفظ سہی بے نام سہی ہونٹوں کے فسانے اور بھی ہیں
جینا ہے تجھے پینے کے لیے اے دوست کسی عنوان سے پی
جینے کا بہانہ ایک سہی پینے کے بہانے اور بھی ہیں
غنچوں کے چٹکنے پر ہی نہ ہوں مصروف توجہ اہلِ چمن
کچھ نیم شگفتہ ہونٹوں پر خاموش ترانے اور بھی ہیں
جلوہ کی فطرت ہی نہیں اربابِ جہاں کا عکسِ حسیں
اس جلوہ گہِ فطرت کے سوا کچھ آئینہ خانے اور بھی ہیں

یہ عجلت

یہ عجلت بے جا خوب نہیں، رُک کیے تو یہی سنئے تو یہی
کچھ دل کی کہانی اور بھی ہے کچھ غم کے فسانے اور بھی ہیں
ہر تیرِ نظر کی جنبش میں پاتا ہوں شکیلؔ اندازِ جنوں
معدوم ہے اب تک جن کا نشاں کچھ ایسے نشانے اور بھی ہیں

ـــــ :: ـــــ

نہ کھو اے رہبرِ منزل وقارِ فیض عام اپنا
جنہیں کچھ فکر ہو گی ڈھونڈ ہی لیں گے مقام اپنا
بہارِ میکدہ اپنی سر گلشن تمام اپنا
مگر کچھ اس طرح جیسے نہ پھول اپنے نہ جام اپنا
نمودِ صبح فرقت کی حقیقت پوچھنے والو
الم سے تنگ آ کر رخ بدل لیتی ہے شام اپنا
زباں کو اذنِ گویائی نہ کچھ دل کو پذیرائی
یہی آدابِ محفل ہیں تو محفل کو سلام اپنا
خراباتِ جہاں میں تہمتِ بیگانگی کب تک
ارے او ذہن خوابیدہ مٹا جاتا ہے نام اپنا
اسیرانِ قفس سے بے رخی تکذیب ایماں ہے
کوئی اربابِ گلشن تک یہ پہنچا دے پیام اپنا
شکیلؔ اس دَور کے مغرب زدہ فنکار سے کہہ دو
زمانے کو پلٹ دے گا یہی رنگِ کلام اپنا

نگاہوں کو کہاں تابِ حضوری قرینِ مصلحت ہے ان سے دوری
نہ چھیڑ اے بے وفا ذکرِ تغافل کہانی پھر نہ رہ جائے ادھوری
مقاماتِ جنوں سے بے خبر ہے ارے توبہ خرد کی بے شعوری
بقدرِ اعتبارِ دیدہ و دل ترے جلوؤں سے قربت ہے نہ دوری
محبت ساتھ دیتی ہے نفس کا مگر جب تک تمنا ہو نہ پوری
وہاں قید سکوت و شرطِ آداب یہاں ہونٹوں پہ احوالِ ضروری
شکیل آہی گئے وہ دل گرفتہ
مجھے راس آئی دل کی ناصبوری

❋ ❋ ❋

آنکھوں سے دور صبح کے تارے چلے گئے
نیند آگئی تو غم کے نظارے چلے گئے
دل تھا کسی کی یاد میں مصروف اور ہم
شیشے میں زندگی کو اتارے چلے گئے
اللہ رے بے خودی کہ ہم ان کے روبرو
بے اختیار انہیں کو پکارے چلے گئے
مشکل تھا کچھ تو عشق کی بازی کا جیتنا
کچھ جیتنے کے خوف سے ہارے چلے گئے
ناکامیٔ حیات کا کرتے بھی کیا گلہ
دو دن گزارنا تھے گزارے چلے گئے

ترغیب ترک شوق کے پردے میں غم گسار
ہر نقش آرزو کو ابھارے چلے گئے

پہنچائی کس نے دعوتِ مے اہلِ زہد تک
شاید تری نظر کے اشارے چلے گئے

وہ دل حریف جلوۂ فردوس بن گیا
جس دل میں تیرے غم کے شرارے چلے گئے

ان کے بغیر زیست بہر حال زیست تھی
جیسی گزارنی تھی گزارے چلے گئے

جلوے کہاں جو ذوقِ تماشہ نہیں شکیلؔ
نظریں چلی گئیں تو نظارے چلے گئے

⁂

اک اک قدم فریبِ تمنا سے بچ کے چل
دنیا کی آرزو ہے تو دنیا سے بچ کے چل

خود ڈھونڈھ لے گا تجھے ترا منفرد مقام
راہِ طلب میں نقشِ کفِ پا سے بچ کے چل

باقی ہے مرے دل میں ابھی عظمتِ وجود
قطرے سے کہہ رہا ہوں کہ دریا سے بچ کے چل

ملتی نہیں ہے راہ سکوں خوف و یاس میں
گلشن کی جستجو ہے تو صحرا سے بچ کے چل

منہ جادۂ وفا سے نہ موڑ اے وفا شعار
لیکن حدودِ چشم تماشے سے بچ کے چل

کتنی حسیں ہیں ان کے ستم کی مسرّتیں
شکرِ کرم کی زحمتِ بیجا سے بچ کے چل

لمحے اداس اداس فضا میں گھٹی گھٹی
دنیا اگر یہی ہے تو دنیا سے بچ کے چل

اپنے ادب پہ ناز ہے تجھ کو اگر شکیلؔ
مغرب زدہ ادیب کی دنیا سے بچ کے چل

وقتِ سحر خوشی کا مزہ غم میں آگیا
ہر پھول ہنس کے دامن شبنم میں آ

بے فصل گل ہی بار تھی ناصح کی گفتگو
ظالم کہاں بہار کے موسم میں آ

اے زندگی کتاب ازل کا ورق الٹ
انساں فریب لغزشِ آدم میں

اب شغل مے ہے تیری طبیعت پہ منحصر
واعظ یہی بہت ہے کہ تو ہم میں

مرہون دستِ ناز نہیں جامِ آرزو
یہ جام خود ہی گردشِ پیہم میں

جب دل کو مل سکی نہ غمِ دہر سے نجات
گھبرا کے حسن و عشق کے عالم میں آ

کچھ شاد تھے وہ اپنے غرورِ جفا پہ آج
کچھ لطف میرے شکوۂ پیہم میں

تھی تیرے غم سے ہٹ کے تلاش سکوں
لیکن سکون دل بھی تیرے غم میں

ہٹ کر کسی کی بارگہِ ناز سے شکیلؔ
محسوس یہ ہوا کہ جہنم میں آگیا

اب خزاں نہ سہی غیرتِ بہار کرے
کوئی تو شکوۂ آلام روزگار کرے

غمِ حیات سے دل کو ابھی نجات نہیں
نگاہِ ناز سے کہہ دو کہ ابھی انتظار کرے

یہاں مسرّتِ باطل کہاں حقیقتِ غم
خزاں کا ذکر نہ آوارۂ بہار کرے

ہیں اسکے ہوش جنوں پہ بجان و دل صدقے
ہنسی ہنسی میں جو دامن کو تار تار کرے

بدل ہی جاتے ہیں ماحول زندگی اکثر
مقدر اس کا خدا جس کو سازگار کرے

شریک سازشِ حرماں خزاں سہی لیکن
اگر یہ جرم خزاں کی جگہ بہار کرے

غمِ خزاں ہی سے فرصت نہیں یہاں شکیل
جسے سکوں ہو وہ نظارۂ بہار کرے

کیوں غمِ عشرت میں دل کو صرفِ ماتم کیجیے
غم ہی قسمت ہے تو شکرِ عشرتِ غم کیجیے

یا میرے ذوقِ وفا کو دیجیے اذنِ شکست
یا غرورِ بے نیازی اور محکم کیجیے

ہو چلا ہے زندگی کو شادکامی پہ غرور
اب توجہ کی نظر پہلے سے کچھ کم کیجیے

ہے اگر منظور تعمیلِ تقاضائے جنوں
چاک نظروں سے گریبانِ دو عالم کیجیے

کم سے کم اتنے تو آنسو ہوں کہ ہستی ڈوب جائے
گریہ لازم ہے تو کیوں تقلیدِ شبنم کیجیے

ہجر کی تنہائیوں میں کیسی شب کس کی سحر
زندگی کو بے نیازِ ہر دو عالم کیجیے

شکوہ ہائے جور پر بولے وہ شرما کر شکیلؔ
اپنے افسانے کے اس ٹکڑے کو مبہم کیجیے

بیکسی سے مرنیوالے کا بھرم رہ جائے گا
وہ ضرور آئیں گے جب آنکھوں میں دم رہ جائیگا

کیا خوشی میں زندگی کا ہوش کم رہ جائے گا
غم اگر مٹ بھی گیا احساسِ غم رہ جائیگا

ہائے وہ اک عالم بینائیٔ پنہاں کہ جب
فاصلہ منزل سے اپنا دو قدم رہ جائیگا

چھیڑ دی میں نے اگر رودادِ حسن شش جہت
نا مکمل قصۂ دیر و حرم رہ جائے گا

گلشن ہو نگاہوں میں تو جنت نہ سمجھنا
دم بھر کی عنایت کو محبت نہ سمجھنا

کیا شے ہے متاعِ غم و راحت نہ سمجھنا
جینا ہے تو جینے کی حقیقت نہ سمجھنا

ہو خیر ترے غم کی کہ ہم نے ترے غم سے
سیکھا ہے مسرت کو مسرت نہ سمجھنا

نسبت ہی نہیں کوئی محبت کو خرد سے
اے دل کبھی مفہوم محبت نہ سمجھنا

یہ کس نے کہا تم سے رودادِ وفا کو
سن کر کبھی سمجھنے کی ضرورت نہ سمجھنا

ویرانیٔ ماحول کو بربادیٔ دل کو
ہر دور میں آثار محبت نہ سمجھنا

سر خم ہو اگر مصلحتِ وقت کے آگے
اس جبرِ مسلسل کو عبادت نہ سمجھنا

دیکھے جو تمہیں کوئی محبت کی نظر سے
للّٰلہ شکیلؔ اس کو محبت نہ سمجھنا

زندگی لیکے اربابِ جاں چل دیئے
راہ سونی ہوئی کارواں چل دیئے

بن کے آئے سراپا حقیقت مگر
دیکھ کر چند خوابِ گراں چل دیئے

کہنے آئے تھے محفل میں اک داستاں
بن کے عنوان ہر داستاں چل دیئے

بعد ترکِ محبت ہم ان کی طرف
جانیوالے نہ تھے ناگہاں چل دیئے

کب اٹھا بار ہستی کہ اہلِ جنوں
ناتواں آئے تھے ناتواں چل دیئے

اے شکیلؔ ان کی محفل سے جانے تو ہو
اور اگر دل نے پوچھا کہاں چل دیئے

:.:

تری محفل سے اُٹھ کر عشق کے ماروں پہ کیا گزری
مخالف ایک جہاں تھا جانے بیچاروں پہ کیا گزری

سحر کو رخصتِ بیمار فرقت دیکھنے والو
کسی نے یہ بھی دیکھا رات بھر تاروں پہ کیا گزری

سنا ہے زندگی ویرانیوں نے لوٹ لی مل کر
نہ جانے زندگی کے ناز برداروں پہ کیا گزری

ہنسی آئی تو ہے بے کیف سی لیکن خدا جانے
مجھے مسرور پا کر میرے غم خواروں پہ کیا گزری

اسیرِ غم تو جاں دے کر رہائی پا گیا لیکن
کسی کو کیا خبر زنداں کی دیواروں پہ کیا گزری

یہ زاہد ہیں انہیں کیا تجربہ اعجازِ رحمت کا
یہ تو جنت میں پوچھیں گے گنہگاروں پہ کیا گزری

نقش فطرت نے جو ابھارے ہیں
کچھ کنائے ہیں کچھ اشارے ہیں

ہم سے پوچھو بہارِ جلوۂ دوست
ہم نے فرقت کے دن گزارے ہیں

رونقِ چرخ دیکھنے والو
کچھ زمیں پر بھی چاند تارے ہیں

تم زمانے کے ہو ہمارے سوا
ہم کسی کے نہیں تمہارے ہیں

ہم سے زندہ تھی زندگی کل تک
آج ہم زندگی کے مارے ہیں

جب نظارے نہ تھے نگاہیں تھیں
اب نگاہیں نہیں نظارے ہیں

گو نہیں کوئی ربط و ضبط مگر
تم ہمارے ہو ہم تمہارے ہیں

دیکھ کر ہاتھ ڈالنا گلچیں
اب یہ غنچے نہیں شرارے ہیں

جن کو آنسو سمجھ رہے ہو شکیلؔ
دل کے ٹوٹے ہوئے سہارے ہیں

خراماں زندگی ہے والہانہ
ذرا آگے سے جائے زمانہ

ہزاروں بار ملنے پر بھی اب تک
تعارف ہے کسی سے غائبانہ

چمن پر بجلیاں منڈلا رہی ہیں
کہاں لے جاؤں شاخِ آشیانہ

محبت کرنے والے ہیں ہزاروں
ہمیں سے کیوں الجھتا ہے زمانہ

ازل سے لٹ رہی ہے دولتِ غم
مگر خالی نہیں ہوتا خزانہ

میں خود ہی بجلیاں گرنے سے پہلے
جلا دیتا ہوں اکثر آشیانہ

اجازت ہو تو اے اربابِ محفل
کر دوں کچھ شکوۂ رنگِ زمانہ

بظاہر لطف بھی مہر و وفا بھی پسِ پردہ سب کچھ تاجرانہ
تشکیک ان کشمکش کی ساعتوں میں
غزل کیسے کہوں میں عاشقانہ

ملا نہ رہروانِ سست گام کو ترا نشاں
نظر نظر میں رہ گئی الجھ کے گردِ کارواں

ترا جمال منکشف سر مکاں ولامکاں
مری نگاہِ مضطرب کبھی یہاں کبھی وہاں

خیال آرزو میں گم نگاہ چشم جستجو میں گم
فریب چشم و دل میں سب یقین و آگہی کہاں

ہو جس کو تاب ضبط غم وہ دل کہاں سے لاؤں میں
نفس نفس پہ مرحلے قدم قدم پہ امتحاں

یہ عزم بال و پر لیے چمن میں پھر رہا ہے کون
نہ خوف برق و باد ہے نہ فکر سوزِ آشیاں

نوازشوں کی حد ہوئی کرم کی انتہا ہوئی
نہ میں کسی پہ ملتفت نہ کوئی مجھ پہ مہرباں

جنوں پہ ہو کے طعنہ زن ہو کے خرد نے کچھ کہا مگر
بلا اپنی منزلوں کی سمت چل دیا رواں دواں

تیرا جمالِ دلنشیں چراغ بزمِ رنگ و بو
مگر یہ کیا ہے مصلحت کہیں عیاں کہیں نہاں

اٹھا قدم قدم اٹھا شکیل دیکھ سامنے
وہ اڑ رہی ہے گرد بھی وہ جا رہا ہے کارواں

راہِ خدا میں عالم انداز مل گیا
مسجد کو ڈھونڈتے تھے کہ مینخانہ مل گیا

آغازِ کائنات سے جس کی تلاش تھی
اوراقِ زندگی میں وہ افسانہ مل گیا

اہلِ جنوں کو تاب کہاں سوزِ حسن کی
جلتے ہی شمع خاک میں پروانہ مل گیا

تنہا چمن میں آکے بھٹکتی بھی کیا بہار
اچھا ہوا کہ راہ میں دیوانہ مل گیا

ہم نے خودی سے کام لیا وہ بھی کھنچ گئے
دنیا کو چاہیے تھا اک افسانہ مل گیا

دیکھا نگاہِ یاس سے جب گلکدے کا رنگ
ہر گل کی آڑ میں کوئی دیوانہ مل گیا

ٹھکرا کے مرگِ شوق کا عالم دلِ حزیں
اربابِ زندگی سے حریفانہ مل گیا

اک اک زبان پر مری روداد ہے شکیل
اپنوں کے ساتھ کیا کوئی دیوانہ مل گیا

نظر نواز نظاروں میں جی نہیں لگتا
وہ کیا گئے کہ بہاروں میں جی نہیں لگتا

شبِ فراق کو لے چاند آکے چمکا دے
نظر اداس ہے تاروں میں جی نہیں لگتا

غمِ حیات کے مارے تو ہم بھی ہیں لیکن ۔۔۔ غمِ حیات کے ماروں میں جی نہیں لگتا
نہ پوچھ تجھ سے ترے غم میں کیا گزرتی ہے ۔۔۔ یہی کہوں گا ہزاروں میں جی نہیں لگتا
کچھ اسقدر رہے غمِ زندگی سے دل مایوس ۔۔۔ خزاں گئی تو بہاروں میں جی نہیں لگتا

فسانۂ شبِ غم ختم ہونے والا ہے
شکیلؔ چاند ستاروں میں جی نہیں لگتا

⁂

اللہ اللہ مآلِ نظمِ کہن ۔۔۔ زندگی زندگی کی ہے دشمن
ہے خرد آج کل حریف جنوں ۔۔۔ ہے جنوں ان دنوں تہی دامن
کیا خبر تھی بہاریں اب کے ۔۔۔ چاک ہوں گے دلوں کے پیراہن
وائے بے مائیگی فکر و نظر ۔۔۔ ہے سخن سے جدا مذاق سخن
خون انسانیت کے پیاسوں سے ۔۔۔ نام صحرا کا رکھ دیا ہے چمن
پھر دلوں میں نئی امنگ اٹھی ۔۔۔ لے کے عزمِ شکست کوہ و دمن

زندگی کی شکستہ حالی پر
رو رہی ہے شکیلؔ عظمتِ فن

⁂

ان کی صورت ان کے جلوے ان کی محفل دیکھ کر
رہ گئے ہم حیرتِ آئینۂ دل دیکھ کر
آج ملتے ہی نگاہیں کچھ وہ شرما سے گئے
جانے کیا سمجھے مری بیتابیٔ دل دیکھ کر

شاید اہلِ کارواں کے حوصلے بے دار ہیں
کیوں قدم اٹھتے ہیں آثارِ منزل دیکھ کر

دیکھنا چاہو اگر ایسی معراجِ ستم
مسکرا دینا مری بربادیٔ دل دیکھ کر

سننے والے سینکڑوں ہیں ہم نوا کوئی نہیں
دوست دل کی بات کہنا رنگِ محفل دیکھ کر

فرق ذرّہ بھر نہ پایا ہم نے دونوں میں شکیلؔ
اک نظر ان پر بھی ڈال ماہِ کامل دیکھ کر

⁂

ترے بغیر عجب بزمِ دل کا عالم ہے
چراغ سینکڑوں جلتے ہیں روشنی کم ہے

جو جی رہے ہیں انہیں کے لیے ہر اک غم ہے
زہے نصیب کہ پھولوں کی زندگی کم ہے

قفس سے آئے چمن میں تو بس یہی دیکھا
بہار کہتے ہیں جس کو خزاں کا عالم ہے

خیالِ ترکِ محبت کی خیر ہو یا رب
کچھ آج مست نگاہوں کی بیرخی کم ہے

بنائے ہیں اسی شبنم نے سینکڑوں دریا
نہیں ملال جو دریا حریفِ شبنم ہے

کہا یہ دل نے سنی گفتگو جو ناصح کی
مبالغہ ہے بہت اس میں واقعہ کم ہے

بہار آئے چمن میں یہ انتظار نہ دیکھ
شکیلؔ اپنے جنوں کی بہار کیا کم ہے

⁂

وہ کیفِ حسن و عشق و لطفِ غزل گیا — ذوقِ سلیم رد، کہ زمانہ بدل گیا

جس بزم میں سنی تھی محبت کی داستاں — اس بزم کا خیال ہی دل سے نکل گیا

میں نے ہی زندگی بھرا تھا خوشی کا رنگ — جادو مجھی پہ گردشِ دوراں چل گیا

گزری ہوئی بہار کو اب اور کیا کہوں — اک لمحۂ فریب تھا جو آکے ٹل گیا

اے مہرِ صبح اپنی شعاعوں کو پھونک دے — جس دن پہ مجھ کو ناز تھا وہ دن ہی ڈھل گیا

اب امتحان تیز خرامی ہے اور ہم
لو کارواں تو حدِ نظر سے نکل گیا

⁂

جس قدر دلِ بسمل ناز و ادا بنتا گیا — باعثِ دلچسپئ اہلِ وفا بنتا گیا

زندگی ممنونِ احساں ہی رہی انکے حضور — لب تک آ آکر ہر اک نالہ دعا بنتا گیا

ایک مرکز پر رہی قایم یہ بزمِ کائنات — نقشِ ہستی اک مٹا اور دوسرا بنتا گیا

میں نے چھیڑا تھا کبھی سازِ شعورِ زندگی — جب سے ہر نغمہ مرے دل کی صدا بنتا گیا

بے سہارا دیکھ کر کشتی خدا پر چھوڑ دی
اور میں اپنی نظر میں ناخدا بنتا گیا

⁂

آدمی نہ اتنا بھی دور ہو زمانے سے — صبح کو جدا سمجھے شام کے فسانے سے

دیکھ طفلکِ ناداں قدر کر بزرگوں کی — گتھیاں نہ سلجھیں گی مضحکہ اڑانے سے

زخمِ سر کے دیوانے زخمِ دل کا قائل ہو — زندگی سنورتی ہے دل پہ چوٹ کھانے سے

مطربِ جنوں ساماں تو نہ چھیڑ یہ نغمہ　　دھن خراب ہوتی ہے تیرے گنگنانے سے

گرمیٔ سخن سے کچھ کام بن نہیں سکتا
مل ہی جائے گی منزل دو قدم بڑھانے سے

ــ :.: ــ

کہیں عشق کا تقاضا کہیں حسن کے اشارے
نہ بچا سکیں گے دامن غمِ زندگی کے مارے

شبِ غم کی تیرگی میں مری آہ کے شرارے
کبھی بن گئے ہیں آنسو کبھی بن گئے ہیں تارے

نہ خلش رہی وہ مجھ میں نہ کشش رہی وہ تجھ میں
جسے زعمِ عاشقی ہو وہی اب تجھے پکارے

جنہیں ہو سکا نہ حاصل کبھی کیفِ قربِ منزل
وہی دو قدم ہیں مجھ کو تری جستجو سے پیارے

میں شکیلؔ ان کا ہو کر بھی نہ پا سکا ہوں ان کو
مری طرح زندگی میں کوئی جیت کر نہ ہارے

ــ :.: ــ

متاعِ غمِ عاشقی مانگ لوں گا　　تمہیں سے تمہاری خوشی مانگ لوں گا

دمِ نزع بالیں پہ آئے اگر کوئی　　خدا سے نئی زندگی مانگ لوں گا

شبِ غم چھپا ماہِ کامل تو کیا غم　　ستاروں سے کچھ روشنی مانگ لوں گا

تمہیں اک نہیں حسن والے ہیں لاکھوں　　کسی چاند سے چاندنی مانگ لوں گا

جو از خود نہ بدلا نظام دو عالم
تری زلف سے بر ہمی مانگ لوں گا

٭٭٭

بدلے بدلے مرے غمخوار نظر آتے ہیں
مرحلے عشق کے دشوار نظر آتے ہیں

کشتیٔ غیرت و احساس سلامت یارب
آج طوفان کے آثار نظر آتے ہیں

انقلاب آیا نہ جانے یہ چمن میں کیسا
غنچہ و گل مجھے تلوار نظر آتے ہیں

جن کی آنکھوں سے چھلکتا تھا کبھی رنگِ خلوص
ان دنوں وہ مائلِ پندار نظر آتے ہیں

جو سنا کرتے تھے ہنس ہنس کے نغمۂ شوق
اب مری شکل سے بیزار نظر آتے ہیں

ان کے آگے جو جھکی رہتی ہیں نظریں اپنی
اس لیے ہم ہی خطاوار نظر آتے ہیں

دشمنِ خوئے وفا رسم محبت کے حریف
وہی کیا اور بھی دو چار نظر آتے ہیں

جنس نایاب محبت کی خدا خیر کرے
بوالہوس اس کے خریدار نظر آتے ہیں

وقت کے پوجنے والے ہیں پجاری ان کے
کوئی مطلب ہو تو غم خوار نظر آتے ہیں
جائزہ دل کا اگر لو تو وفا سے خالی
شکل دیکھو تو نمک خوار نظر آتے ہیں
روزِ روشن میں اگر ان کو دکھاؤ تارے
وہ یہ کہہ دیں گے کہ سرکار نظر آتے ہیں
ہم نہ بدلے تھے نہ بدلے ہیں نہ بدلیں گے شکیلؔ
ایک ہی رنگ میں ہر بار نظر آتے ہیں

شوخ نظروں میں جو شامل برہمی ہو جائے گی
اور بھی جنسِ محبت قیمتی ہو جائے گی
آنکھوں آنکھوں میں جو صلح باہمی ہو جائے گی
بات بھی رہ جائے گی اور بات بھی ہو جائے گی
دل نظر بن جائے گا غم ہر خوشی ہو جائے گی
آپ کے جاتے ہی دنیا دوسری ہو جائے گی
آئینہ کو دے گی میری خود فراموشی مجھے
بے خودی جب حد سے گزرے گی خودی ہو جائے گی
داغِ دل بن جائے گا فرقت میں رشکِ مہر و ماہ
یوں بھی میرے غم کدے میں روشنی ہو جائے گی

یہ تمام غنچہ و گل ہیں ہنسوں تو مسکرائیں
کبھی یک بیک جو رو دوں تو ستارے ٹوٹ جائیں

مرے داغ دل کی تابش جو کبھی یہ دیکھ پائیں
وہیں رشک بے اماں سے مہر و ماہ ڈوب جائیں

کبھی ذوق جستجو پر اگر اعتبار کر لوں
سر راہ منزلیں خود مجھے ڈھونڈھنے کو آئیں

کبھی بے قرار ہو کر جو میں ساز عشق چھیڑوں
تو یہ مشتری و زہرہ کوئی گیت پھر نہ گائیں

مرا ذوق مے پرستی کچھ اس قدر مکمل
جو میں جام مے اٹھا لوں تو برس پڑیں گھٹائیں

سر میکدہ جو دیکھیں مری میکشی کا منظر
ہوں شیوخ سر بہ سجدہ کرے زاہد التجائیں

دل غم زدہ پر جفائیں کہاں تک
یہ دلچسپ دلکش خطائیں کہاں تک

نہ مرنے کی فرصت نہ جینے کا یارا
ترے غم کی تہمت اٹھائیں کہاں تک

یوں ہی جائزہ دل کی لیتی رہیں گی
نگاہوں کی رنگیں شعاعیں کہاں تک

انہیں بے خبر میرے نالوں سے کوئی
خدا جانے پہنچیں صدائیں کہاں تک

یہ دیکھوں مری تشنہ کامی کے غم میں
برستی رہیں گی گھٹائیں کہاں تک

عیاں کر خودی کی جھلک بندگی میں
کسی کے حضور التجائیں کہاں تک

اب آ جا کہ نظریں تری جستجو میں	تخیّل کے ہمراہ جائیں کہاں تک
گلستاں میں کلیوں کو مرجھانے دیجے	مرے حال پر مسکرائیں کہاں تک
ہمیں دیکھنا ہے وہ محفل میں شمعیں	جلائیں کہاں تک بجھائیں کہاں تک
نگاہوں میں آجاؤ بے پردہ اک دن	فریب مہ و مہر کھائیں کہاں تک
انہیں بھی کچھ احساس غم ہو چلا ہے	نہ ہوں گی قبول اب دعائیں کہاں تک

یہ زورِ کلام شکیلؔ اللہ اللہ
مخالف بھی زور آزمائیں کہاں تک

قربان کسی پہ دولتِ ہستی ہے آج کل
دل چیز کیا ہے جان بھی سستی ہے آج کل

نالوں کے احتجاج سے برہم ہے آسماں
اوجِ فلک سے آگ برستی ہے آج کل

ارض و سما نے مل کے بپا حشر کر دیا
معدوم فرق رفعت و پستی ہے آج کل

آغوشِ زندگی جسے کہیئے وہ کائنات
اسبابِ زندگی کو ترستی ہے آج کل

خونِ حیات و نشۂ غم بے خودئ مرگ
رندوں میں شغل بادہ پرستی ہے آج کل
غنچے جھلس کے آگ میں شرمائے جاتے ہیں
فقرے خزاں بہار پہ کستی ہے آج کل
یارب مزاج و فطرت اہلِ جنوں کی خیر
ویرانیوں کی گود میں بستی ہے آج کل
ساقی بھی ہے شراب بھی لیکن نہ جانے کیوں
دل بے نیازِ سوزشِ مستی ہے آج کل
جس دل میں تھی متاعِ غمِ عاشقی شکیلؔ
اس دل میں آتشِ غمِ ہستی ہے آج کل

چھٹ جا کے ہم پھر نہ مل سکیں گے شتاب — ترکِ الفت نہیں ہے ترکِ شراب
وا ہے اس وقت دیدۂ بیتاب — دیکھ اپنی تجلیوں کا جواب
حسن و تاثیرِ عشق ارے توبہ
جیسے مرجھا کے رہ گیا ہو گلاب

ان کی نگہِ قہر سے مایوس نہ ہو دل — اک دن یہ محبت کی نظر ہو کے رہے گی
تم رازِ محبت کو چھپانے تو ہو مجھ سے — واللہ کہ دنیا کو خبر ہو کے رہے گی

پوچھوں میں نہ کیوں ان کا پتہ اپنی نظر سے　　جس سمت وہ ہوں گے یہ ادھر ہو کے رہے گی

یہ ڈوبتے تارے یہ فسردہ سا رخ ماہ
آثار بتاتے ہیں سحر ہو کے رہے گی

تیرا غم پا کر بلائے عشرتِ فانی گئی　　مرحبا ذوقِ سکوں دل کی پریشانی گئی

زندگی جس سے عبارت تھی وہ طغیانی گئی　　ہوش کیا آیا جنوں کی فتنہ سامانی گئی

آنکھ ملتے ہی کسی سے دفعتاً دل بڑھ گیا　　ڈھونڈنے والے سے منزل تک نہ پہچانی گئی

ابر آیا، جام آیا، پھول برسے لیکن آہ
زاہدانِ تنگ دل کی پاک دامانی گئی

دانستہ سامنے سے جو وہ بے خبر گئے　　دل پر ہزار طرح کے عالم گزر گئے

خودداریٔ حیات کو بدنام کر گئے　　پروانے کیوں نہ جلنے سے پہلے ہی مر گئے

ہم اس لیے مقام فنا سے گزر گئے　　وہ یہ کہیں نہ کہہ دیں کہ مرنے سے ڈر گئے

آوارگانِ کوئے محبت جدھر گئے　　دنیا پکار اٹھی کہ غلط راہ پر گئے

روداد اہلِ بزم محبت نہ پوچھیے　　ہنستے ہوئے جو آئے تھے باچشم تر گئے

جب تجھ کو ارتباط محبت پہ ناز تھا
اے زندگی بتا وہ زمانے کدھر گئے

ہر نفس ان کا خیال آتا رہا — زندگی پر پھول برساتا رہا
عشق میں ثابت قدم رہ کر بھی میں — ہر قدم پر ٹھوکریں کھاتا رہا
اللہ رے یہ ضبطِ غم کی دولتیں — عمر بھر کھوتا رہا پاتا رہا
ان کے اک عہدِ قریب انجام سے — زندگی بھر دل کو بہلاتا رہا

جذبات کی رو میں بہہ گیا ہوں — کہنا جو نہ تھا وہ کہہ گیا ہوں
ہر لمحۂ سرخوشی میں اکثر — دو اشک بہا کے رہ گیا ہوں
تھا جن پہ گماں تیرے ستم کا — کچھ ایسے کرم بھی سہہ گیا ہوں
شاید وہ اسے جنوں سمجھ لیں — اک بات پتے کی کہہ گیا ہوں

اب کیا غمِ ساحل و تلاطم
اک موج کے ساتھ بہ گیا ہوں

یکساں مری نظروں میں ہے رنگِ سحر و شام
کھیلے نہ مقدر سے مرے گردشِ ایام
پیتا ہوں پلاتا ہوں وہی بادۂ کہنہ
ہر بار ڈھونڈ کے لاتا ہوں نیا جام
ڈرتا ہوں برقِ تبسم کی جلوے سے
سنتا ہوں یہ عالم بھی ہے منجملۂ اوہام

تری محفل میں باریابی ہے بس یہی مری کامیابی ہے
دل کی نیرنگیاں ارے توبہ آج زاہد ہے کل شرابی ہے
ہے شکیلؔ ایک شاعرِ فطرت
یہ نہ سمجھو کہ انقلابی ہے

⁂

کیا ہوتا نہ آنکھوں کو غمِ ہستی ہیں ترین نے
اگر پہچان لی ہوتی زمانے کی نظر میں نے
تیرا ہی عکس دیکھا صورتِ شمس و قمر میں نے
تجھی کو روبرو پایا بہ عنوانِ دگر میں نے
شبِ فرقت ربابِ یادِ رفتہ کی صدا سن کر
یکایک کروٹیں بدلیں اِدھر تم نے اُدھر میں نے
نہ کعبہ میرا مرکز اور نہ بت خانہ میرا معبد
میں تجھ سے کیا کہوں ناصح جبیں رکھ دی کدھر میں نے
نہ تھے جب تم تو لامحدود تھی تاریکیٔ فرقت
تمہارے ساتھ ہی آتے ہوئے دیکھی سحر میں نے
قیامت تک نہ ہوگی ختم میری شرحِ دل ہمدم
اگر کہنے سے تیرے کو بھی دی ہے مختصر میں نے

⁂

ہائے مجبوری ذوقِ نظر کو کیا کر دوں
وہ مجھے دیکھیں نہ دیکھیں میں انہیں دیکھا کر دوں

حسن کے حسن ندامت کا تقاضا ہے کہ آج
صدق دل سے پھر یقینِ وعدۂ فردا کر دوں

میں نے مانا ضامنِ تسکین دل ہے ترک شوق
لیکن اپنے واقعات زندگی کو کیا کر دوں

زندگی شاید عزایم پروری کا نام ہے
سوچتا ہوں ہر نفس اب کیا کر دوں اب کیا کر دوں

٭٭٭

مآلِ عشق پہلے سے اگر معلوم ہو جائے
جنوں کی لذتوں سے زندگی محروم ہو جائے

بہت دل کش ادائے رقص بسمل ہوتی جاتی ہے
کہیں ایسا نہ ہو ظالم ہی خود مظلوم ہو جائے

٭٭٭

شاید حریفِ آرزوئے دل ہے ان کی یاد
جب وہ نہیں تو پیار کے قابل ہے ان کی یاد

رنگینئ حیات دو روزہ نہ پوچھیے
اس مختصر سے وقت میں شامل ہے ان کی یاد

یوں کر رہا ہوں ان کو بھلانے کی کوشش
جیسے کوئی حجاب مقابل ہے اُن کی یاد

ان کے بغیر بھی ہے وہی لطف میکشی
وہ دور ہیں تو ساقیِ محفل ہے ان کی یاد

٭ ٭ ٭

جلوۂ حسنِ کرم کا آسرا کرتا ہوں میں
جو خطا ممکن ہے مجھ سے بے خطا کرتا ہوں میں

جب صبوحی لے کے دورِ مرحبا کرتا ہوں میں
زندگی کو نیند سے چونکا دیا کرتا ہوں میں

ہائے وہ عالم کہ جب ہر شے سے گھبراتا ہوں میں
آپ ہی اپنی نگاہوں سے بچا کرتا ہوں میں

وہ بھی کیا دن تھے کہ تھا پینے پلانے ہی سے کام
ہائے اب چار آنسوؤں پر اکتفا کرتا ہوں میں

دلربا ہوتے ہیں جن کے آخری لمحاتِ زیست
اکثر ان پھولوں سے دامن کو بھر لیا کرتا ہوں میں

دیکھنے والے مری خاموشیٔ لب کو نہ دیکھ
آنکھوں آنکھوں میں فسانے کہہ دیا کرتا ہوں میں

مظہرِ حسنِ طلب ہو گی نگاہِ بے طلب
مدعا یہ ہے کہ ترکِ مدعا کرتا ہوں میں

صرف اس دھن میں کہ تعمیر محبت سہل ہو
جانے کن کن مشکلوں کا سامنا کرتا ہوں میں

دل لرز جاتا ہے سن کر ہر ستارے کا گلہ
چاند سے تنہائیوں میں کچھ کہا کرتا ہوں میں

⁂

سحر سے خوں بداماں آسمانِ پیر ہے ساقی
زمانے پر مسلّط جنگِ عالم گیر ہے ساقی

اسیروں نے جو دیکھا تھا کبھی فصلِ بہاراں میں
مآلِ کشمکش اس خواب کی تعبیر ہے ساقی

بدلتی جا رہی ہے ذہنیت ارباب دانش کی
ہر اک موجِ نفس چلتی ہوئی شمشیر ہے ساقی

نہ ہو مایوس مستقبل ابھی کھل جائے گا تجھ پر
زمانے میں ترے رندوں کی کیا توقیر ہے ساقی

قسم اس آتشیں ماحول کی تجھ کو اٹھا ساغر
کہ ہر تخریب کے پردے میں اک تعمیر ہے ساقی

⁂

دھندلی دھندلی فضا یہ صبح و شام
ہائے کم بخت زندگی کا نظام
دیدہ و دل ہیں خوگر آلام
تیرے قربان ساقیا اک جام
حسن کی چشم اوّلیں کی قسم
عشق نے پا لیا خود اپنا مقام
قفس مرگ بے اماں کی قسم
زندگی ہے فریب دانہ و دام
آپ نے کس نظر سے دیکھا تھا
دل ابھی تک ہے موردِ الزام

ختم شد

کتبہ :- لعل محمد خاں

شبستاں

غزلیں، گیت

شکیل بدایونی

تعمیر کے پہلو ہیں نہاں میری غزل میں
ملتا نہیں رجعت کا نشاں میری غزل میں

محدود نہیں دائرۂ رنگِ تغزل
ہر شعبۂ ہستی ہے نہاں میری غزل میں

محبوب کی خلوت پہ نظر میرے سخن کی
مظلوم کی آہوں کا دھواں میری غزل میں

کچھ سلسلۂ چنگ و دف و بربط و مضراب
کچھ تذکرۂ تیغ و سناں میری غزل میں

ہے ظلم شکیلؔ اہلِ سیاست کا یہ ورنہ
گنجائشِ تنقیص کہاں میری غزل میں

منزل کی دھن میں ہوش و خرد سے گزر گئے
سو بار تیری راہ گزر سے گزر گئے

جو امتیازِ شام و سحر سے گزر گئے
ایسے بھی کچھ مقام نظر سے گزر گئے

اپنی تو اب تمام ہوئی کائنات غم
دو اشک تھے سو دیدۂ تر سے گزر گئے

رُخ پر کسی کے ہائے وہ رنگ سکوت غم
نالے حدودِ جذب واثر سے گزر گئے
باوصف شوق ان کو نظر تو نہ پاسکی
لیکن وہ ہر مقام نظر سے گزر گئے
ہر چند فرشِ راہ تھی ان کے لیے نگاہ
پھر بھی خبر نہیں وہ کدھر سے گزر گئے
مدت کے بعد سامنے آئے تھے وہ مگر
رسوائی جمال کے ڈر سے گزر گئے
کیا پوچھتے ہو لطف ہجوم نظر شکیلؔ
کچھ تیر تھے جو قلب وجگر سے گزر گئے

⁂

لطیف پردوں سے تھے نمایاں مکیں کے جلوے مکاں سے پہلے
محبت آئینہ ہو چکی تھی وجودِ بزم جہاں سے پہلے
نہ وہ مرے دل سے باخبر تھے نہ ان کو احساس آرزو تھا
مگر نظام وفا تھا قایم، کشودِ رازِ نہاں سے پہلے
ہر ایک عنوان دردِ فرقت ہے ابتدا شرح مدعا کی
کوئی بتائے کہ یہ فسانہ سنائیں ان کو کہاں سے پہلے
مسرتیں راز دارِ غم تھیں، مسرتوں میں الم تھا پنہاں
جبھی تو صحنِ چمن میں بہار آئی خزاں سے پہلے

سمجھ رہا تھا کہ ناامیدی، ناپردہ دارِ امید ہوگی
نظر اٹھا کر جو میں نے دیکھا غبار تھا کارواں سے پہلے
اٹھا جو مینا بدست ساقی، رہی نہ تابِ ضبط باقی
تمام میکش پکار اٹھے، یہاں سے پہلے، یہاں سے پہلے
قسم فریبِ نگاہ و دل کی، ہمیں تو اس جستجو نے کھویا
وہی تھی دراصل اپنی منزل، قدم اٹھے تھے جہاں سے پہلے
ازل سے شاید لکھے ہوئے تھے تنکیلؔ قسمت میں جورِ پیہم
کھلی جو آنکھیں اس انجمن میں نظر ملی آسماں سے پہلے

٭٭٭

مری زندگی ہے ظالم ترے غم سے آشکارا
ترا غم ہے درحقیقت مجھے زندگی سے پیارا
وہ اگر برا نہ مانیں تو جہانِ رنگ و بو میں
میں سکونِ دل کی خاطر کوئی ڈھونڈ لوں سہارا
مجھے تجھ سے خاص نسبت میں رہینِ موجِ طوفاں
جنہیں زندگی تھی پیاری انہیں مل گیا کنارا
مجھے آگیا یقیں سا کہ یہی ہے میری منزل
سرِ راہ جب کسی نے مجھے دفعتاً پکارا
یہ خنک خنک ہوائیں یہ جھکی جھکی گھٹائیں
وہ نظر بھی کیا نظر ہے جو سمجھ نہ لے اشارا

میں بتاؤں فرق ناصح جو ہے مجھ میں اور تجھ میں
میری زندگی تلاطم تری زندگی کنارا
مجھے گفتگو سے بڑھ کر غمِ اذنِ گفتگو ہے
وہی بات پوچھتے ہیں جو نہ کہہ سکوں دوبارہ
کوئی اے شکیلؔ دیکھے یہ جنوں نہیں تو کیا ہے
کہ اسی کے ہو گئے ہم جو نہ ہو سکا ہمارا

نظارۂ جمال سے جنت ہے زندگی — وہ روبرو نہیں تو قیامت ہے زندگی
ہر چند ایک زندہ حقیقت ہے زندگی — لیکن بس اک نگاہ کی قیمت ہے زندگی
وہ پھیر لیں نظر تو کہاں تاب یک نفس — یہ زندگی انہیں کی بدولت ہے زندگی
جب چاہے پھونک دے مری ہستی کا آشیاں — اک برقِ بے اماں کی امانت ہے زندگی
مٹنا روا، نگاہ جھکانا نہیں قبول — بیگانۂ فریبِ ندامت ہے زندگی
کتنی لطیف، کتنی حسیں، کتنی مختصر — اک نوشگفتہ پھول کی نکہت ہے زندگی
ان کے خیال، ان کی تمنا میں مست ہوں
میرے لیے شکیلؔ عبادت ہے زندگی

نہ اب وہ آنکھوں میں برہمی ہے نہ اب وہ ماتھے پہ بل رہا ہے
وہ ہم سے خوش ہیں، ہم ان سے خوش ہیں، زمانہ کروٹ بدل رہا ہے

خوشی نہ غم کی، نہ غم خوشی کا، عجب عالم ہے زندگی کا
چراغ افسردۂ محبت، نہ بجھ رہا ہے نہ جل رہا ہے
ہزار ترکِ وفا کروں میں، تری محبت کو کیا کروں میں
دل حزیں تجھ سے روٹھ کر بھی ترے اشاروں پہ چل رہا ہے
یہ کالی کالی گھٹا یہ ساون، قریب زاہد الٰہی توبہ
وضو میں مصروف ہے بظاہر حقیقتاً ہاتھ مل رہا ہے
کہاں یہ ہنستی دارداتیں، کہاں یہ عیش و طرب کی باتیں
اب اور ہی نغمہ چھیڑ مطرب کہ رنگ زمانہ بدل رہا ہے
شکیلؔ تفسیر شعر اپنی جو پوچھتے ہو تو ہے بس اتنی
جو نالہ سینہ میں گھٹ رہا تھا، وہ نغمہ بن کر نکل رہا ہے

ساقی نظر سے پنہاں شیشے تہی تہی سے
باز آئے ہم تو ایسی بے کیف زندگی سے

کس شوق، کس تمنا، کس درجہ سادگی سے
ہم آپ کی شکایت کرتے ہیں آپ ہی سے

حسن شگفتہ رو کی اللہ ری ادائیں
نظریں بھی ہیں جھجی پر پردہ بھی ہے جھجی سے

اے میرے ماہ کامل پھر آشکار ہو جا
اکتا گئی طبیعت تاروں کی روشنی سے

نالہ کشو اٹھا دو آہ و فغاں کی رسمیں
دو دن کی زندگی ہے کاٹو ہنسی خوشی سے

آگے خدا ہی جانے انجام عشق کیا ہو
جب اے شکیلؔ اپنا یہ حال ہے ابھی سے

یوں ارتباطِ شادی و غم دیکھتے رہے
ان کی جفا بہ رنگِ کرم دیکھتے رہے

عظمت، یہ اپنی عشق میں دیکھتے رہے
عالم تمام زیرِ قدم دیکھتے رہے

کچھ اختلافِ شیخ و برہمن پہ نظر کی
کچھ ماورائے دیر و حرم دیکھتے رہے

تھا جاذبِ نگاہ کچھ اس درجہ حسنِ یار
اٹھ بھی گئے وہ بزم سے ہم دیکھتے رہے

تصویرِ عشق آئینۂ حسن بن گئی
سارا جہاں ہمیں، انہیں ہم دیکھتے رہے

خود داریوں نے سر نہ جھکانے دیا تشکیل
حسرت سے ان کا نقشِ قدم دیکھتے رہے

٭٭٭

ہم ہیں اور ان کی خوشی ہے آج کل
زندگی ہی زندگی ہے آج کل!

غم کا ہر عالم نیا ہے ان دنوں
دل کی ہر دنیا نئی ہے آج کل!

ان کا ذکر، ان کی تمنا، ان کی یاد
وقت کتنا قیمتی ہے آج کل!

چاند بھی ہے سوگوارِ ہجرِ دوست
پھیکی پھیکی چاندنی ہے آج کل

حاصلِ ترکِ محبت دیکھنا
انجمن سونی پڑی ہے آج کل!

٭٭٭

خوشا وہ دور کہ جب فکرِ روزگار نہ تھی
نزاکتِ غمِ دل زندگی پہ بار نہ تھی

ہر ایک لمحہ تھا آسودۂ سکونِ حیات
ملی تھی ایسی طبیعت جو بے قرار نہ تھی

قریب تر تھا ہر اک مدعا بقدرِ طلب
نگاہ واقفِ تکلیفِ انتظار نہ تھی

دل شگفتہ و نازک تھا فطرتاً آزاد
ہزار شغل تھے فکرِ مآلِ کار نہ تھی

ہر ایک شے پہ تصرف تھا دیدہ و دل کا
جہاں میں کشمکشِ جبر و اختیار نہ تھی

جنوں کا مشغلہ آشیانہ سازی تھا
عیاں گرفتگیٔ برقِ شعلہ بار نہ تھی

نہ درد و غم، نہ شکایت، نہ اضطرابِ جنوں
محبتیں تھیں مگر کوئی یادگار نہ تھی

کبھی یہ حال کہ خلوت میں جی نہ لگتا تھا
کبھی یہ رنگ کہ محفل کبھی سازگار نہ تھی

شکیلؔ آہ یہ عالم ہے اب تو ہستی کا
کہ جیسے اپنے چمن میں کبھی بہار نہ تھی

حشر تک گرمیٔ ہنگامۂ ہستی ہے شکیلؔ
سلسلہ ختم نہ ہو گا مرے افسانے کا

آ گئی ہیں رحمتیں پھر جوش میں
ہوش میں اے پینے والو ہوش میں

کیا اثر تھا جذبۂ خاموش میں
خود وہ کھنچ کر آ گئے آغوش میں

سارا عالم پائے بادہ نوش پر
ایک ساغر دستِ بادہ نوش میں

اب تک اک دل کش صدائے بازگشت
گونجتی ہے پردہ ہائے گوش میں

پھر بہار آئی نئے انداز سے اے جنونِ فتنہ ساماں ہوش میں
رہ گئی اک مسکراہٹ سی شکیلؔ
جذب ہو کر اس لبِ خاموش میں

※※※

جو ہے رائیگاں تری جستجو، یہ مری نظر کی خطا نہیں
میں وہ گردِ راہِ مجاز ہوں جسے خود ہی اپنا پتا نہیں
میں فریبِ مرگ سے دور ہوں کہ ترا پرتوِ نور ہوں!
مری عمر عمرِ دوام ہے، مجھے اعتقادِ فنا نہیں
وہی ایک سجدہ ہے کارگر جو ہو فکر و ہوش سے ماورا
وہ ہزار سجدے فضول ہیں جو رہینِ لغزشِ پا نہیں
میں شکیلؔ دل کا ہوں ترجماں کہ محبتوں کا ہوں رازداں
مجھے فخر ہے مری شاعری، مری زندگی سے جدا نہیں

※※※

غمِ عاشقی کے نظام اور بھی ہیں نظر کے سوا برقِ دوام اور بھی ہیں
مجھی کو نہ ڈھونڈا انقلابِ زمانہ طلب گارِ عیشِ دوام اور بھی ہیں
شکیلؔ اپنے دل کی تباہی کا کیا غم
فسانے ابھی ناتمام اور بھی ہیں

※※※

باقی رہا تھا زندہ دلوں میں بس اک شکیل
وہ بھی غمِ فراق کا مارا ہے آج کل

میرے ہی غم کا ترجماں فطرتِ بے زباں نہ ہو
مجھ کو وہ داستاں سنا جو مری داستاں نہ ہو

عقلِ جنوں نواز سن، تجھ پہ اگر گراں نہ ہو
حسن خود اپنی ذات ہے عشق جو درمیاں نہ ہو

سدِ راہِ نگاہ ہے، دور اک غبار سا
جس کی مجھے تلاش ہے یہ وہی کارواں نہ ہو

قیدِ نظر اٹھا کے دیکھ خود میں کبھی سما کے دیکھ
دیدہ و دل کی آڑ میں جلوۂ بے اماں نہ ہو

میری نظر میں واقعی ہے وہ بلا کا خود غرض
تو جسے غم عطا کرے اور وہ شادماں نہ ہو

شعر و ادب کو آج بھی صنفِ غزل پہ ناز ہے
سعیٔ مخالفت شکیلؔ، ڈر ہے کہ رائیگاں نہ ہو۔

جنوں سے گزرنے کو جی چاہتا ہے
ہنسی ضبط کرنے کو جی چاہتا ہے

وہ ہم سے خفا ہیں، ہم اُن سے خفا ہیں
مگر بات کرنے کو جی چاہتا ہے

ہے مدت سے بے رنگ نقشِ محبت
کوئی رنگ بھرنے کو جی چاہتا ہے

قضا مژدۂ زندگی لے کے آئے
کچھ اس طرح مرنے کو جی چاہتا ہے

نظامِ دو عالم کی ہو خیر یا رب
پھر اک آہ بھرنے کو جی چاہتا ہے

گناہِ مکرّر شکیلؔ اللہ اللہ
بگڑ کر سنورنے کو جی چاہتا ہے

دنیا کی روایات سے بیگانہ نہیں ہوں
چھیڑو نہ مجھے میں کوئی دیوانہ نہیں ہوں

اس کثرتِ غم پر بھی مجھے حسرتِ غم ہے
جو بھر کے چھلک جائے وہ پیمانہ نہیں ہوں

میں قائلِ خودداریٔ الفت سہی لیکن
آدابِ محبت سے تو بیگانہ نہیں ہوں

کانٹوں سے گزر جاتا ہوں دامن کو بچا کر
پھولوں کی سیاست سے تو بیگانہ نہیں ہوں

لذت کشِ نظارہ شکیلؔ اپنی نظر ہے
محروم جمالِ رخِ جانانہ نہیں ہوں

رعنائیٔ بہارِ گل و گلستاں گئی
وہ کیا گئے کہ رونقِ بزمِ جہاں گئی

ملتے ہی ان سے کشمکشِ جسم و جاں گئی
ہوش آ گیا تو وحشتِ خوابِ گراں گئی

آخر غبارِ راہِ محبت بھی چھپ گیا
کچھ دور تو نگاہِ پسِ کارواں گئی

وہ آج مطمئن نظر آتے ہیں بزم میں
شاید کسی کی سعیٔ فغاں رائیگاں گئی

اب اس فریب خوردۂ تمنا کو کیا کہوں
جو تیری انجمن سے بہت شادماں گئی

تری یاد سے دل فروزاں کریں گے
پھر اس غم کدے میں چراغاں کریں گے

ذرا حضرتِ دل کی جرأت تو دیکھو
یہ نظارۂ حسنِ جاناں کریں گے

زمانہ جو آتش فشاں ہے تو کیا غم
ہم آتش کدے کو گلستاں کریں گے

پھلے تو ذرا دورِ جامِ محبت!
فرشتے بھی تقلیدِ انساں کریں گے

جو آسانیوں کو بھی مشکل بنا دیں
وہ کیا میری مشکل کو آساں کریں گے

موسمِ گل ساتھ لے کر برقِ دوام آ ہی گیا
یعنی اب خطرے میں گلشن کا نظام آ ہی گیا

وہ نگاہِ مست اٹھی گردش میں جام آ ہی گیا
یعنی وقتِ امتیازِ خاص و عام آ ہی گیا

پاسباں کرتے رہے سرگوشیاں ہی اور میں
ان کی محفل سے بہ عزم و احترام آ ہی گیا

جانے کن نظروں سے دیکھا آج ساقی نے مجھے
میں تو یہ سمجھا کہ مجھ تک دورِ جام آ ہی گیا

اب اسی کو زندگی کہیے یا صبحِ مرگ
آنکھ کھولی تھی کہ سر پر وقت شام آ ہی گیا

ہائے یہ عالم کہ ترکِ وفا کے بعد بھی
دل میں ہوک اٹھی نہ اٹھی لب پہ نام آ ہی گیا

لذتِ رنگینیٔ اشعار کیا کہیے شکیلؔ
کچھ نہ کچھ احباب کو لطفِ کلام آ ہی گیا

ہر مسرت سے گریزاں نظر آتا ہے مجھے
دل حریفِ غمِ جاناں نظر آتا ہے مجھے

تو محبت کا نگہباں نظر آتا ہے مجھے
یا کوئی خواب پریشاں نظر آتا ہے مجھے

جب سے چھایا ہے تری یاد کا عالم دل پر
ہر نفس شعلہ بداماں نظر آتا ہے مجھے

کچھ مجھی تک نہیں محدود مرا ذوقِ جنوں
پھول بھی چاکِ گریباں نظر آتا ہے مجھے

اپنی جاتی ہوئی دنیا کی قسم اے غمِ ہجر
تو بھی اک رات کا مہماں نظر آتا ہے مجھے

منکرِ ذات تری بحث مسلّم لیکن
یوں وہ کچھ اور نمایاں نظر آتا ہے مجھے

ایک واعظ ہی تھا منجملۂ اربابِ خلوص
وہ بھی اس دور کا انساں نظر آتا ہے مجھے

حسن پابندِ رہ و رسمِ وفا کیوں نہ رہا
ہائے پہلا سا محبت میں اثر کیوں نہ رہا

اکثر آتا ہے غمِ عشق میں وہ بھی عالم
سوچتا ہوں تری نظروں سے جدا کیوں نہ رہا

بے خودی دائرۂ ہوش میں آ ہی جاتی
اور دو چار گھڑی پردہ اٹھا کیوں نہ رہا

تیری افسردہ نگاہی سے یہ شکوہ ہے کہ میں
راز بن کر ترے سینے میں چھپا کیوں نہ رہا

حسن کے حسنِ ندامت کی قسم کیا کہیے
دل کو اب حوصلۂ ترکِ وفا کیوں نہ رہا

دیں صدائیں درِ انساں ہی پہ انساں نے شکیلؔ
ہائے دنیا میں غریبوں کا خدا کیوں نہ رہا

٭٭٭

یہ کیا طلسمِ غم کدۂ کائنات ہے!
باوصفِ مہر و ماہ نہ دن ہے نہ رات ہے

دل بے نیازِ آرزوئے التفات ہے
شاید اسی کا نام سکونِ حیات ہے

آزاد لاکھ اسیرِ غمِ عشق ہو تو کیا
یہ قید کم نہیں کہ بقیدِ حیات ہے

اپنا ہی عکس دیکھتا رہتا ہوں چار سو
عالم تمام آئینۂ حسنِ ذات ہے

انساں ہزار منزلِ رفعت پہ ہو شکیلؔ
ایسے میں خود کو بھول نہ جائے تو بات ہے

اندازِ مداوائے جنوں کام نہ آیا ۔۔۔ کوشش تو بہت کی مگر آرام نہ آیا
جب تک وہ تجلّی رہی آغوشِ نظر میں ۔۔۔ بھولے سے کبھی ذکرِ سحر و شام نہ آیا
یوں کم نہ ہوئی رونقِ ہنگامۂ محفل ۔۔۔ محفل میں کوئی واقفِ انجام نہ آیا
صد حیف کہ برباد ہوئے ہم تری خاطر ۔۔۔ صد شکر کہ تجھ پہ کوئی الزام نہ آیا
اعجازِ مسیحا پہ شکیلؔ آپ ہیں نازاں
اعجازِ مسیحا بھی اگر کام نہ آیا

ــــ :: ــــ

تکمیلِ شباب چاہتا ہوں ۔۔۔ ہو جاؤں خراب چاہتا ہوں
سر معرکۂ الم ہے کرنا! ۔۔۔ تھوڑی سی شراب چاہتا ہوں
اپنی ہی التفاتِ نظر کی! ۔۔۔ اس رخ پر نقاب چاہتا ہوں
ہائے اے غمِ عشرتِ گزشتہ ۔۔۔ اک فرصتِ خواب چاہتا ہوں
اس چھیڑ پہ زندگی تصدق ۔۔۔ بے وجہ عتاب چاہتا ہوں
کچھ ایسی حقیقتیں ہیں جن کو
پا بندِ حجاب چاہتا ہوں

ــــ :: ــــ

آنکھ سے آنکھ ملاتا ہے کوئی ۔۔۔ دل کو کھینچے لیے جاتا ہے کوئی
وائے حیرت کہ بھری محفل میں ۔۔۔ مجھ کو تنہا نظر آتا ہے کوئی
صبح کی مست فضاؤں کی قسم ۔۔۔ روز آ آ کے جگاتا ہے کوئی

منظرِ حسن دو عالم کے نثار مجھ کو آئینہ دکھاتا ہے کوئی

چاہیے خود پہ یقینِ کامل
حوصلہ کس کا بڑھاتا ہے کوئی

٭٭٭

اے رہروِ راہِ عشقِ وفا، رفتارِ نگاہ و دل پہ نہ جا
ہر گام پہ اک منزل ہے نئی، اس راہ گزر کے پردے ہیں

٭٭٭

بن جائے قہرِ عشرتِ پیہم کبھی کبھی
دل کو سکوں نہ دے جو ترا غم کبھی کبھی

لمحاتِ یادِ دوست کو صرفِ دعا نہ کر
آتے ہیں زندگی میں یہ عالم کبھی کبھی

زاہد کی مے کشی پہ تعجب نہ کیجیے
لائی ہے رنگ فطرتِ آدم کبھی کبھی

مرکز سے ہو کے دور یہ ایں اختصارِ عمر
روتی ہے اپنے حال پہ شبنم کبھی کبھی

کیف و نشاطِ درد کا عالم نہ پوچھیے
ہنس کر گزار دی ہے شبِ غم کبھی کبھی

ان کی خوشی کو اپنی خوشی جان کر شکیلؔ
سر کر لیا ہے معرکۂ غم کبھی کبھی

اب تو ہر عنوانِ عیش و غم سے جی گھبرا گیا
زیست کے افسانۂ مبہم سے جی گھبرا گیا

سوزِ عشق و گریہ پیہم سے جی گھبرا گیا
ارتباط شعلہ و شبنم سے جی گھبرا گیا

کوئی دیکھے تو ذرا یہ طرز تنظیم حیات
پھر وہی عالم کہ جس عالم سے جی گھبرا گیا

اب مجھی پر منحصر ہے فیصلہ برقِ جمال
چشم و دل کی چشمکِ باہم سے جی گھبرا گیا

سعی تکمیل محبت تو بجا ہے اے شکیلؔ
اور اگر ناکامیٔ پیہم سے جی گھبرا گیا

٭٭٭

آنکھ ان کو دیکھتی ہے نظارہ کئے بغیر
پردے میں چھپ گئے ہیں وہ پردہ کئے بغیر

ہر چند دردِ عشق کا درماں نہیں مگر
بنتی نہیں ہے فکر مداوا کئے بغیر

زاہد سے پوچھئے غم دنیا کی عظمتیں
عقبیٰ نہ مل سکی غم دنیا کئے بغیر

ہم کو بھی دیکھنا ہے کہ یہ منکرین عشق
کب تک رہیں گے تیری تمنا کئے بغیر

شعر و ادب کی راہ میں ہوں گامزن شکیل
اپنے مخالفین کی پروا کیے بغیر!

⁂

دید کے حوصلے ہیں گم جلوۂ حسن ذات میں
دخلِ نگاہ کچھ نہیں دل کے معاملات میں
دل سے نہ قطع راہ کر، دل کی طرف نگاہ کر
دیکھ یہ وسعتیں کہاں، دامنِ کائنات میں
جرأتِ شکوہ بھی نہیں جن کے حضور باریاب
ہیں وہ ستم چھپائے ہوئے پردۂ التفات میں
فیض جنوں سے مٹ گیا خلوت و انجمن کا فرق
حشر بپا ہے آج کل، بزم تصورات میں
حسن و نظر کی کشمکش ختم ہوئی نہ تھی ہنوز!
دل بھی الجھ کے رہ گیا، دام تجلیات میں
شکوۂ غم نہ کر شکیل، حسنِ مآل کو بھی دیکھ
ہے کوئی مصلحت ضرور ان کی ہر اک بات میں

⁂

عقل نے سزا پائی شرح رنگ و بو کر کے
یعنی خود کو کھو بیٹھے ان کی جستجو کر کے

وہ کبھی دل گرفتہ ہیں، اپنی کیا کہوں ناصح!
مجھ سے گفتگو کرتا، ان سے گفتگو کر کے
اک جنونِ بے معنی، اک یقین لا حاصل!
اور کیا ملا ظالم، تیری آرزو کر کے
آرزو لرزتی تھی جن کا نام بھی سن کر
ان کو پا لیا ہم نے ترکِ آرزو کر کے

⁂

پھر تلاطم میں لے گئیں موجیں
مجھ کو صورت دکھا کے ساحل کی

⁂

صبح کا افسانہ کہہ کر شام سے
کھیلتا ہوں گردشِ ایام سے

ان کی یاد، ان کی تمنا، ان کا غم
کٹ رہی ہے زندگی آرام سے

عشق میں آئیں گی وہ بھی ساعتیں
کام نکلے گا دلِ ناکام سے

لاکھ میں دیوانہ و رسوا سہی
پھر بھی اک نسبت ہے تیرے نام سے

صبح گلشن دیکھئے کیا گل کھلائے
کچھ ہوا بادلی ہوئی ہے شام سے

ہائے میرا ماتمِ تشنہ لبی!
شیشہ مل کر رو رہا ہے جام سے

بے خودی پر شاید ان کا بس نہیں
ہوش میں آ جاتا ہے انکے نام سے

ہر نفس محسوس ہوتا ہے شکیلؔ
آ رہے ہیں نامہ و پیغام سے

رفعتِ خیال میں ہے نہ وسعت نظر میں ہے
محدود حسنِ یار دلِ بے خبر میں ہے
برگشتگیٔ قسمت واعظ نظر میں ہے
سب میکدے میں اور وہ بیچارہ گھر میں ہے
منزل کو پاکے بھی نہ قدم مطمئن ہوئے!
کس درجہ پختگی مرے عزم سفر میں ہے
دیرینہ غفلتوں کو ذرا یاد کرکے دیکھ
اک شخص اجنبی سا تری رہ گزر میں ہے
بیٹھا ہوں سر جھکائے ہوئے ان کی بزم میں
شاید مری نظر بھی ہجومِ نظر میں ہے
دنیا نہ جس کو دیکھ سکی آج تک شکیلؔ
مجھ کو یہ ناز ہے کہ وہ میری نظر میں ہے

⁂

جلوۂ معتبر کو کیا کہیے! | دل نہیں دل نظر کو کیا کہیے
جو گزرتے ہیں آہ تیرے بغیر | ایسے شام و سحر کو کیا کہیے
عشق نے پالیا خود اپنا مقام | ان کی پہلی نظر کو کیا کہیے
دور ہو کر بھی پاس ہے کوئی | اہتمامِ نظر کو کیا کہیے
تھا مقدر میں چھوٹ کے مرجانا | غفلتِ چارہ گر کو کیا کہیے

مجھ سے غافل بھی میری جانب بھی
احتیاطِ نظر کو کیا کہیے

مری زندگی پہ نہ مسکرا، مجھے زندگی کا الم نہیں
جسے تیرے غم سے ہو واسطہ وہ خزاں بہار سے کم نہیں

مرا کفر حاصلِ زہد ہے، مرا زہد حاصلِ کفر ہے
مری بندگی ہے وہ بندگی جو رہینِ دیر و حرم نہیں

مجھے راس آئیں خدا کرے یہی اشتباہ کی ساعتیں
انہیں اعتبارِ وفا تو ہے، مجھے اعتبارِ ستم نہیں

وہی کارواں، وہی راستے، وہی زندگی وہی مرحلے
مگر اپنے اپنے مقام پر کبھی تم نہیں کبھی ہم نہیں

نہ وہ شانِ جبرِ شباب ہے نہ وہ رنگ قہرِ عتاب ہے
دلِ بے قرار پہ ان دنوں ہے ستم یہی کہ ستم نہیں

نہ فنا مری نہ بقا مری، مجھے اے شکیلؔ نہ ڈھونڈھیے
میں کسی کا حسنِ خیال ہوں مرا کچھ وجودِ عدم نہیں

میری دیوانگی نہیں جاتی
روز رہا ہوں ہنسی نہیں جاتی

نہ ترک کر مے اسے سمجھ ناصح
اتنی پی ہے کہ پی نہیں جاتی

جب سے دیکھا ہے انکو بے پردہ
نخوتِ آگہی نہیں جاتی

شوخیٔ حسن بے اماں کی قسم
حسن کی سادگی نہیں جاتی

ان کی دریا دلی کو کیا کہیے
میری تشنہ لبی نہیں جاتی

موسمِ خوشگوار کی راتیں
آگئیں پھر بہار کی راتیں

کیف کی صبح انبساط کی شام
حسن کے دن نکھار کی راتیں

آہ یہ فصلِ گل یہ رعنائی
اور یہ انتظار کی راتیں

میرے دل سے نہ پوچھئے کیا ہیں
بزمِ ناسازگار کی راتیں

کالی کالی مہیب وحشتناک
جیسے اک سوگوار کی راتیں

دیکھتی ہیں گھٹائیں ساون کی
دیدۂ اشکبار کی راتیں

بجلیاں بھی ہیں دیکھ کر لرزاں
اُف دلِ بے قرار کی راتیں

آہ ایسے میں یاد آتی ہیں!
وہ سکون و قرار کی راتیں

وہ حیات آفریں نظر افروز جلوۂ حسنِ یار کی راتیں
وہ مسرت وہ انبساط کے دن وہ محبت وہ پیار کی راتیں
نغمہ ریز و معطر و مخمور! جیسے اک بادہ خوار کی راتیں
گہرا گہرا وہ رنگِ چشم سیاہ ہلکے ہلکے خمار کی راتیں
اوجِ ناز و نیاز کا عالم عظمت و اقتدار کی راتیں
ہائے وہ حسن و عشق کی چھیڑیں اُف وہ قول و قرار کی راتیں
روٹھنا پھر وہ خود ہی من جانا نخوت و انکسار کی راتیں
باہمی وہ نباہ کے وعدے وعدہ و اعتبار کی راتیں
دائمی کیف و حسن کے بیلے جادو دانی بہار کی راتیں
گزری جاتی تھیں آنکھوں آنکھوں میں جیسے شبِ زندہ دار کی راتیں
اب وہ ہنگامہ و نشاط کہاں مٹ گئیں وہ خمار کی راتیں
ہو گئیں اختیار سے باہر قبضہ و اختیار کی باتیں

یادِ ایامِ زیست لے کے شکیلؔ
آ گئیں پھر بہار کی راتیں

٭٭٭

بس اک نگاہ کرم ہے کافی اگر انہیں پیش و پس نہیں ہے
زہے تمنا کہ میری فطرت اسیر حرص و ہوس نہیں ہے

جہاں کی نیرنگیوں سے یکسر بدل گئی آشیاں کی صورت
قفس سمجھتی ہیں جن کو نظریں وہ در حقیقت قفس نہیں ہے

کہاں کے نالے کہاں کی آہیں، جمی ہیں انکی طرف نگاہیں
کچھ اس طرح محو یاد ہوں میں کہ فرصتِ یک نفس نہیں ہے

تصوّر عشرتِ گزشتہ کا حسنِ تاثیر اللہ اللہ
وہی فضائیں وہی ہوائیں چمن سے کچھ کم قفس نہیں ہے

کسی کی بے اعتنائیوں نے بدل ہی ڈالا نظام گلشن!
جو بات پہلے بہار میں تھی، وہ بات اب کے برس نہیں ہے

نہ ہوشِ خلوت، نہ فکرِ محفل، عیاں ہو اب کس پہ دل
میں آپ ہی اپنا ہم نفس ہوں مرا کوئی ہم نفس نہیں ہے

سنی ہیں اہلِ جنوں نے اکثر خموشئ مرگ کی صدائیں
سنا یہ تھا کاروانِ ہستی رہینِ بانگِ جرس نہیں ہے

چمن کی آزادیاں موخر، تصوّر آشیاں مقدم
غم اسیری ہے نا مکمل اگر غم خار و خس نہیں ہے

شکیل دنیا میں جس کو دیکھا کچھ اس کی دنیا ہی اور دیکھی
ہزار نقادِ زندگی ہیں مگر کوئی نکتہ رس نہیں ہے

٭٭٭

محفل میں کوئی سوختہ جاں ہی نہیں شکیلؔ
سوز و گدازِ شمع پہ آنسو بہائے کون

⁂

ان کے بغیر ہم جو گلستاں میں آ گئے
محسوس یہ ہوا کہ بیاباں میں آ گئے
تشہیرِ دل گرفتگیٔ حسن ہو گئی
آنسو چھلک کے چشمِ پشیماں میں آ گئے
ہم ترکِ ربط و ضبطِ محبت کے باوجود
سو بار کھنچ کے کوچۂ جاناں میں آ گئے
پھولوں کو راس آیا نہ جب عرصۂ بہار
گلشن سے ہٹ کے گوشۂ داماں میں آ گئے
ہر چند اہلِ ہوش تھے اربابِ زندگی
لیکن فریبِ گردشِ دوراں میں آ گئے
آیا مری زباں پہ یکایک جو ان کا نام
کس کس کے ہاتھ میرے گریباں میں آ گئے
چھپ کر نگاہِ شوق سے دل میں پناہ لی
دل میں نہ چھپ سکے تو رگِ جاں میں آ گئے
تھے منتشر ازل میں جو ذراتِ کوئے دوست
انساں کے عالمِ امکاں میں آ گئے

ادا ادا میں ہیں رعنائیاں شکیل
اشعار بن کے وہ مرے دیواں میں آ گئے

٭٭٭

جو دل پہ گزرتی ہے وہ سمجھا نہیں سکتے
ہم دیکھنے والوں کو نظر آ نہیں سکتے

بے قیدِ رسوم آئی ہیں گلشن میں بہاریں
اب ہاتھ گریباں کی طرف جا نہیں سکتے

رنگینیٔ مستقبلِ روشن ہے نظر میں
ہم تلخیٔ ماحول سے گھبرا نہیں سکتے

مغرور نہ ہو فصلِ خزاں آ کے چمن میں
ایسے بھی ہیں کچھ پھول جو مرجھا نہیں سکتے

مانا کہ ترے لطفِ کرم خواب ہیں لیکن
ہر شخص کو یہ خواب نظر آ نہیں سکتے

تفسیرِ دو عالم ہے شکیل اپنا تغزل
میدانِ غزل چھوڑ کے ہم جا نہیں سکتے

٭٭٭

ان سے امیدِ رونمائی ہے — کیا نگاہوں کی موت آئی ہے
دل نے غم سے شکست کھائی ہے — عمرِ رفتہ تری دہائی ہے
دل کی بربادیوں پہ نازاں ہوں — فتح پا کر شکست کھائی ہے

میرے معبد نہیں ہیں دیر و حرم
احتیاطاً جبیں جھکائی ہے

وہ ہوا دے رہے ہیں دامن کی
ہائے کس وقت نیند آئی ہے

کھل گیا ان کی آرزو میں یہ راز
زیست اپنی نہیں پرائی ہے

دور ہو غنچے میری نظروں سے
تو نے میری ہنسی چرائی ہے

گل افسردہ چمن اداس شکیلؔ
یوں بھی اکثر بہار آئی ہے

⁂

آمدِ فصلِ خزاں کا جو نہ امکاں ہوتا
کس قدر حسن پہ مغرور گلستاں ہوتا

کھل گیا تجزیہ غم سے ہر ایک رازِ حیات
زیست مبہم تھی اگر دل نہ پریشاں ہوتا

تو نے سوچا کبھی دامن کو بچانے والے
کچھ سکت ہاتھ میں ہوتی تو بہ داماں ہوتا

میری فطرت کو کہاں تابِ جمودِ ساحل
وہی کشتی، وہی دریا، وہی طوفاں ہوتا

سرد ہے انجمن شعر شکیلؔ ان کے بغیر
وہ میرے سامنے آتے میں غزل خواں ہوتا

⁂

بہار آئی کسی کا سامنا کرنے کا وقت آیا
سنبھل اے دل کہ اظہارِ وفا کرنیکا وقت آیا

رواں ہیں اپنے مرکز کی طرف آسودہ اُمیدیں
ہجوم یاس کو دل سے جدا کرنیکا وقت آیا

پھر اک گم کردہ راہِ زندگی کو مل گئی منزل
سجودِ فکرِ بے پایاں ادا کرنیکا وقت آیا

کہاں تک ختم رہتا درمیاں پر دل کا افسانہ
بالآخر درمیاں سے ابتدا کرنیکا وقت آیا

وہ آتے ہیں شکیلؔ اب اپنے دل سے ہاتھ دھو بیٹھو
نگاہِ ناز کی قیمت ادا کرنے کا وقت آیا

اللہ اللہ مقامِ ضبط و الم
ڈگمگاتے ہیں زندگی کے قدم

سعیٔ تشریحِ آرزو کی قسم
محرمِ آرزو نہ تم ہو، نہ ہم

کھولنا تھا حیاتِ نو کا بھرم
اک بہانہ تھی لغزشِ آدم

موجِ انفاسِ زاہداں تو بہ!
بجھ نہ جائے کہیں چراغِ حرم

زندگی ہے وائے مرگ و حیات
میں نہیں قائلِ وجود و عدم

سائے کی طرح اب زمانہ شکیلؔ
چل رہا ہے مرے قدم بہ قدم!

اثر دکھائے گی سعیٔ گراں کبھی نہ کبھی
بدل ہی جائے گا نظمِ جہاں کبھی نہ کبھی

بہار ہو کے رہے گی عیاں کبھی نہ کبھی
چمن کو چھوڑ ہی دے گی خزاں کبھی نہ کبھی

کہاں تک اے دلِ مضطرب فریبِ تابِ سکوت
الجھ پڑے گی نظر سے زباں کبھی نہ کبھی

یقین ہے کہ وہ بے تابیوں سے تنگ آ کر
کریں گے پرسشِ دردِ نہاں کبھی نہ کبھی

نہ آئے حرف کہیں ترکِ آرزو پر شکیلؔ
وہ ہوں گے مصلحتاً مہرباں کبھی نہ کبھی

غمِ عشق رہ گیا ہے غمِ جستجو میں ڈھل کر
وہ نظر سے چھپ گئے ہیں مری زندگی بدل کر

تری گفتگو کو ناصح دلِ غم زدہ سے چل کر
ابھی تک تو سن رہا تھا مگر اب ذرا سنبھل کر

نہ ملا سراغِ منزل کہیں عمر بھر کسی کا
نظر آ گئی ہے منزل کہیں دو قدم ہی چل کر

غمِ عمرِ مختصر سے ابھی بے خبر ہیں کلیاں
نہ چمن میں پھینک دینا کسی پھول کو مسل کر

ہیں کسی کے منتظر ہم مگر اے امید مبہم
کہیں وقت رہ نہ جائے یونہی کروٹیں بدل کر

مری تیز گامیوں سے نہیں برق کو بھی نسبت
کہیں کھو نہ جائے دنیا مرے ساتھ چل کر

کبھی یک بیک توجہ کبھی دفعتاً تغافل
مجھے آزما رہا ہے کوئی رخ بدل بدل کر

ہیں شکیل زندگی میں یہ جو وسعتیں نمایاں
انہیں وسعتوں سے پیدا کوئی عالم غزل کر

٭٭٭

اب تک شکایتیں ہیں دل بد نصیب سے
اک دن کسی کو دیکھ لیا تھا قریب سے

اکثر بزعم ترک محبت خدا گواہ
گزرا چلا گیا ہوں دیار رقیب سے

دست خزاں نے بڑھ کر وہیں اسکو چن لیا
جو پھول گر گیا نگہ عندلیب سے

اہل سکوں سے کھیل نہ اے موج انبساط
اک دن الجھ کے دیکھ کسی بد نصیب سے

تا اہل ناز کو بھی ملے فرصت نیاز
میں دور ہٹ گیا جو وہ گزرے قریب سے

یہ کس خطا پہ روٹھ گئی چشمِ التفات
یہ کب کا انتقام لیا مجھ غریب سے
ان کے بغیر بھی وہی ہے زندگی کا دور
حالاتِ زندگی ہیں کچھ عجیب سے
سمجھے ہوئے تھے حسنِ ازل جس کو ہم شکیل
اپنا ہی عکسِ رخ نظر آیا قریب سے

بے اثر دورِ جام ہے اب تک
زندگی تلخ کام ہے اب تک
نارسا ہر پیام ہے اب تک
پست ذوقِ عوام ہے اب تک
مہرِ تاباں سے کھیلنے والو!
مری دنیا میں شام ہے اب تک
پینے والے تو کب کے پی بھی گئے
مرے ہاتھوں میں جام ہے اب تک
گفتگو ان سے لاکھ بار ہوئی
آرزوئے کلام ہے اب تک
تلخیٔ غم کی دل کو تاب نہیں
مے کشی کیوں حرام ہے اب تک
وائے رجعت پسندیٔ زنداں
قیدِ ظرف و مقام ہے اب تک

ذوقِ لطیف و چشمِ حقیقت نگر کہاں
حسنِ ازل تو عام ہے حسنِ نظر کہاں

تیرے حضور وسعتِ قلب و نظر کہاں
جو تجھ میں کھو گیا اسے اپنی خبر کہاں
ہے مصلحت گداز نہ عالم شباب کا
اے وقت ناشناس یہ دن عمر بھر کہاں
جلوے سما ہی جائیں گے آئے تو کوئے دوست
دامن سے بچ کے جائے گی گردِ سفر کہاں
ہر چند آندھیوں کی ہیں گلشن میں یورشیں
لیکن ابھی شکستِ نسیمِ سحر کہاں
اک روز میں تو ڈھونڈھ ہی لوں گا جہانِ نو
دنیا مجھے تلاش کرے گی مگر کہاں
ہر لحظہ ناتمام ہے رودادِ غم شکیلؔ
اہلِ نظر کو فرصتِ نقد و نظر کہاں

فطرت کے حسیں نظاروں میں پر کیف خزانے اور بھی ہیں
میخانہ اگر ویران ہے تو کیا رندوں کے ٹھکانے اور بھی ہیں
آغازِ جفا کی تلخی سے، گھبرا نہ دلِ آزار طلب
یہ وقت یہیں پر ختم نہیں کچھ تلخ زمانے اور بھی ہیں

لمحاتِ حسیں پرسش غم، محدود نہیں تا شکر کرم
بے لفظ سہی، بے نام سہی، ہونٹوں کے فسانے اور بھی ہیں

جینا ہے تجھے پینے کے لیے، اے دوست کسی عنوان سے پی
جینے کا بہانہ ایک سہی، پینے کے بہانے اور بھی ہیں

غنچوں کے چٹکنے پر ہی نہ ہوں مصروف توجہ اہلِ چمن
کچھ نیم شگفتہ ہونٹوں پر خاموش ترانے اور بھی ہیں

یہ جلوہ گہہ فطرت ہی نہیں، ارباب جہاں کا عکس حسیں
اس جلوہ گہہ فطرت کے سوا کچھ آئینہ خانے اور بھی ہیں

ہر تیر نظر کی جنبش میں پاتا ہوں شکیلؔ اندازِ جنوں!
معدوم ہے اب تک جس کا نشاں کچھ ایسے نشانے اور بھی ہیں

⁂

نگاہوں کو کہاں تک تابِ حضوری — قرینِ مصلحت ہے ان سے دوری
نہ چھیڑ او بے وفا ذکرِ تغافل — کہانی پھر نہ رہ جائے ادھوری
مقاماتِ خرد سے بے خبر ہے — ارے توبہ خرد کی بے شعوری
بقدرِ اعتبارِ دیدہ و دل — ترے جلووں سے قربت ہے نہ دوری
محبت ساتھ دیتی ہے نفس کا — مگر جب تک تمنا ہو نہ دوری
وہاں قیدِ سکوت و شرط آداب — یہاں ہونٹوں پہ احوالِ ضروری
شکیلؔ آہی گئے وہ دل گرفتہ
مجھے راس آئی دل کی ناصبوری

آنکھوں سے دور صبح کے تارے چلے گئے
نیند آ گئی تو غم کے نظارے چلے گئے

دل تھا کسی کی یاد میں مصروف اور ہم
شیشے میں زندگی کو اتارے چلے گئے

اللہ ری بے خودی کہ ہم ان ہی کے روبرو
بے اختیار انہیں کو پکارے چلے گئے

مشکل تھا کچھ تو عشق کی بازی کا جیتنا
کچھ جیتنے کے خوف سے ہارے چلے گئے

ناکامئ حیات کا کرتے بھی کیا گلہ!
دو دن گزارنا تھے گزارے چلے گئے

ان کے بغیر زیست بہر حال زیست ہے
جیسے گزر رہی تھی گزارے چلے گئے

جلوے کہاں جو ذوقِ تماشا نہیں شکیلؔ
نظریں چلی گئیں تو نظارے چلے گئے

⁂

گلشن ہوں نگاہوں میں تو جنت نہ سمجھنا
دم بھر کی عنایت کو محبت نہ سمجھنا

کیا شے ہے متاعِ غم و راحت نہ سمجھنا
جینا ہے تو جینے کی حقیقت نہ سمجھنا

ہو خیر ترے غم کی ہم نے ترے غم سے
سیکھا ہے مسرت کو مسرت نہ سمجھنا

نسبت ہی نہیں کوئی محبت کو خرد سے
اے دل کبھی مفہوم محبت نہ سمجھنا

یہ کس نے کہا تم سے کہ رودادِ وفا کو
سن کر بھی سمجھنے کی ضرورت نہ سمجھنا

ویرانیٔ ماحول کو بربادیٔ دل کو
ہر دور کو آثار محبت نہ سمجھنا

سر خم ہو اگر مصلحتِ وقت کے آگے
اس جبر مسلسل کو عبادت نہ سمجھنا

دیکھے جو تمہیں کوئی محبت کی نظر سے
للّٰہ شکیلؔ اس کو محبت نہ سمجھنا

⁂

زندگی لے گئے اربابِ جاں چل دیئے
راہ سونی ہوئی کارواں چل دیئے

بن آئے سراپا حقیقت مگر
دکھا کر خوابِ گراں چل دیئے

کہنے آئے تھے محفل میں اک داستاں
بن کے عنوان ہر داستاں چل دیئے

بعد ترکِ محبت ہم ان کی طرف
جانے والے نہ تھے نا گہاں چل دیئے

کب اٹھا بارِ ہستی کہ اہلِ جنوں
ناتواں آئے تھے ناتواں چل دیئے

اے شکیلؔ ان کی محفل سے جانے تو ہو
اور اگر دل نے پوچھا کہاں چل دیئے

٭٭٭

تری محفل سے اٹھ کر عشق کے ماروں پہ کیا گزری
مخالف اک جہاں تھا جانے بیچاروں پہ کیا گزری

سحر کو رخصتِ بیمارِ فرقت دیکھنے والو!
کسی نے یہ بھی دیکھا رات بھر تاروں پہ کیا گزری

سنا ہے زندگی ویرانیوں نے لوٹ لی مل کر
نہ جانے زندگی کے ناز برداروں پہ کیا گزری

ہنسی آئی تو ہے بے کیف سی لیکن خدا جانے
مجھے مسرور پا کر میرے غم خواروں پہ کیا گزری

اسیرِ غم تو جاں دے کر رہائی پا گیا لیکن
کسی کو کیا خبر زنداں کی دیواروں پہ کیا گزری

نقش فطرت نے جو ابھارے ہیں — کچھ کنائے ہیں کچھ اشارے ہیں
ہم سے پوچھو بہار جلوۂ دوست — ہم نے فرقت کے دن گزارے ہیں
رونقِ چرخ دیکھنے والو! — کچھ زمیں پر بھی چاند تارے ہیں
تم زمانے کے ہو ہمارے سوا — ہم کسی کے نہیں تمہارے ہیں
ہم سے زندہ تھی زندگی کل تک — آج ہم زندگی کے مارے ہیں
جب نظارے نہ تھے نگاہیں تھیں — اب نگاہیں نہیں نظارے ہیں
دیکھ کر ہاتھ ڈالنا گل چیں! — اب یہ غنچے نہیں شرارے ہیں

جن کو آنسو سمجھ رہے ہو شکیلؔ
دل کے ٹوٹے ہوئے سہارے ہیں

❊ ❊ ❊

خرامِ زندگی ہے والہانہ — ذرا آگے سے ہٹ جائے زمانہ
ہزاروں بار ملنے پر بھی اب تک — تعارف کسی سے ہے غائبانہ
چمن پر بجلیاں منڈلا رہی ہیں — کہاں پر لے کے جاؤں شاخِ آشیانہ
ازل سے لٹ رہی ہے دولتِ غم — مگر خالی نہیں ہوتا خزانہ
اجازت ہو تو اے اربابِ محفل — کروں کچھ شکوۂ رنگِ زمانہ
بظاہر لطف بھی مہر و وفا بھی — پسِ پردہ یہ سب کچھ تاجرانہ

شکیلؔ ان کشمکش کی ساعتوں میں
غزل کیسے کہوں میں عاشقانہ

اللہ اللہ مآلِ نظمِ کہن — زندگی زندگی کی ہے دشمن
ہے خرد آج کل حریفِ جنوں — ہے جنوں ان دنوں تہی دامن
کیا خبر تھی بہار میں اب کے — چاک ہوں گے دلوں کے پیراہن
وائے بے مائیگیٔ فکر و نظر — ہے سخن سے جدا مذاقِ سخن
خونِ انسانیت کے پیاسوں نے — نام صحرا کا رکھ دیا ہے چمن
پھر دلوں میں نئی امنگ اٹھی — لے کے عزمِ شکستِ کوہ و دمن

زندگی کی شکستہ حالی پر
رو رہی ہے شکیلؔ عظمتِ فن

⁂

متاعِ غمِ عاشقی مانگ لوں گا — تمہیں سے تمہاری خوشی مانگ لوں گا
دمِ نزع بالیں پہ آئے اگر تم! — خدا سے نئی زندگی مانگ لوں گا
تمہیں اک نہیں حسن والے ہیں لاکھوں — کسی چاند سے چاندنی مانگ لوں گا
جواز خود نہ بدلا نظامِ دو عالم! — تری زلف سے برہمی مانگ لوں گا
اگر مٹ گیا زعمِ ترکِ محبت — تری نازِ بے گانگی مانگ لوں گا
خزاں نے اگر سر چڑھایا خرد کو — بہاروں سے دیوانگی مانگ لوں گا

شکیلؔ ان کے در سے نہ لوٹوں گا خالی
جو دل چاہتا ہے وہی مانگ لوں گا

⁂

ترے بغیر عجب بزم دل کا عالم ہے
چراغ سینکڑوں جلتے ہیں روشنی کم ہے

جو جی رہے ہیں انہیں کے لیے ہر اک غم ہے
زہے نصیب کہ پھولوں کی زندگی کم ہے

قفس سے آئے چمن میں تو بس یہی دیکھا
بہار کہتے ہیں جس کو خزاں کا عالم ہے

خیال ترک محبت کی خیر ہو یارب
کچھ آج مست نگاہوں کی روشنی کم ہے

بہار آئے چمن میں یہ انتظار نہ دیکھ
شکیلؔ اپنے جنوں کی بہار کیا کم ہے

❋ ❋

جذبات کی رو میں بہہ گیا ہوں
کہنا جو نہ تھا وہ کہہ گیا ہوں

ہر لمحۂ خوشی میں اکثر!
دو اشک بہا کے رہ گیا ہوں

تھا جن پہ گماں ترے ستم کا
کچھ ایسے کرم بھی سہہ گیا ہوں

شاید وہ اسے جنوں سمجھ لیں!
ہر اک بات اپنے کی کہہ گیا ہوں

اب کیا غم ساحل و تلاطم
اک موج کے ساتھ بہہ گیا ہوں

❋ ❋

کلام تازہ

کیا کشش حسنِ روزگار میں ہے / غم بھی ڈوبا ہوا بہار میں ہے

جب سے کھائے ہیں اس نظر کے فریب / میرا دل میرے اختیار میں ہے

دل کی دھڑکن یہ دے رہی ہے صدا / جا کوئی تیرے انتظار میں ہے

ہو پریشاں حجابِ غم سے نہ دل / کارواں پردۂ غبار میں ہے

نالۂ نیم شب کو غور سے سُن / ایک نغمہ بھی اس پکار میں ہے

کھول دے بابِ میکدہ ساقی / ایک فرشتہ بھی انتظار میں ہے

محوِ گردش ہے کائنات شکیلؔ
میری تقدیر کس شمار میں ہے

پنہاں دلِ بے تاب میں ارمان بہت ہیں
گھر اپنا سلامت رہے مہمان بہت ہیں

بت خانے میں کفر کے سامان بہت ہیں
کعبے میں بھی غارت گرِ ایمان بہت ہیں

تو خود کو فرشتہ نہ سمجھ واعظِ ناداں
دنیا میں تیرے رنگ کے انسان بہت ہیں

ترغیب مفر ہم کو نہ دے اے غمِ دوراں
ہستی پہ غمِ عشق کے احسان بہت ہیں

ہنستا ہوا اکھسارِ حوادث سے گزر جا!
پھر دیکھ کہ تیرے لیے میدان بہت ہیں

تنظیم جہاں چاہیے نئی ہو کہ پرانی
میرے لیے یا رب تیرے فرمان بہت ہیں

ذکرِ لبِ ساحل سے ابھی کچھ نہیں حاصل
کشتی کی خبر لیجیے طوفان بہت ہیں

ہو گا نہ شکیلؔ آپ سے اظہارِ تمنّا
مشکل ہیں وہ کام جو آسان بہت ہیں

⁂

کوششِ ترکِ محبت رائیگاں ہونے لگی
میری غیرت ان کے چہرے سے عیاں ہونے لگی

کیوں نہ ہم سمجھیں بھلا اس مہربانی کو ستم
تم ہوئے اپنے تو دنیا مہرباں ہونے لگی

عظمتِ غم کا تقاضہ ہے کہ غم ظاہر نہ ہو
روک لے آنسو کہ توہینِ فغاں ہونے لگی

ہوس کا ان سے بچھڑ کر کبھی نہ پیوند زمیں
وقت جب بگڑا تو مٹی بھی گراں ہونے لگی

رات پھر بیدار رکھا مجھ کو شورِ چنگ نے
نیند جب آئی تو مسجد میں اذاں ہونے لگی

خانہ ویرانوں کا دن تو کٹ گیا پرواز میں
شام ہوتے ہی تلاشِ آشیاں ہونے لگی

لگ گئیں پابندیاں باہر نکلنے پر شکیلؔ
دخترِ رز جب شیش محلوں میں جواں ہونے لگی

تصاویرِ کہن اب کون دیکھے دل کے پردے میں
نئے چہرے نظر آتے ہیں مستقبل کے پردے میں

نہیں ہے گوش بر آوازِ صدرِ انجمن اب تک
ہزاروں نغمے رقصاں ہیں شکستِ دل کے پردے میں

میں زندہ ہوں مجھے اے ناخدا طوفان میں لے چل
مرے ذوقِ عمل کی موت ہے ساحل کے پردے میں

کہاں دیوانہ لانہ، کہاں ذوقِ جنوں پرور
کوئی لیلےٰ نظر آتی ہے اس محمل کے پردے میں

جنونِ عشق کی حامل ہے ہر انسان کی ہستی!
شرارے بھی ہیں اس تصویر آب و گل کے پردے میں

جہانِ رنگ و بو میں کیوں تلاشِ حسن ہو مجھ کو
ہزاروں جلوے رخشندہ ہیں میرے دل کے پردے میں

شکیلؔ انسان کو اک عزمِ محکم کی ضرورت ہے
چھپی ہے کامرانی سعیِ لاحاصل کے پردے میں

٭٭٭

نہ پیمانے کھنکتے ہیں نہ دورِ جام چلتا ہے
نئی دنیا کے رندوں میں خدا کا نام چلتا ہے

غم عشق سے ہیں غم ہستی کے ہنگامے جدا لیکن
وہاں بھی دن گزرتے ہیں یہاں بھی کام چلتا ہے

چھپے ہیں لاکھ حق کے مرحلے گمنام ہونٹوں پر
اسی کی بات چل جاتی ہے جس کا نام چلتا ہے

جنونِ رہروی وقت کی رفتار سے پوچھو
کوئی منزل نہیں لیکن یہ صبح و شام چلتا ہے

شکیلِ مست کو مستی میں جو کہنا ہے کہنے دو!
یہ میخانہ ہے اے واعظ یہاں سب کام چلتا ہے

٭٭٭

رہِ وفا میں کوئی صاحبِ جنوں نہ ملا
دلوں میں عزم تو پائے رگوں میں خوں نہ ملا

ہزار ہم سے مقدر نے کی دغا لیکن
ہمیں مٹا کے مقدر کو بھی سکوں نہ ملا

گلوں کے رخ پہ وہی تازگی کا عالم ہے
نہ جانے ان کو غمِ روزگار کیوں نہ ملا

کہاں سے لائے وہ اک بوالہوس مذاقِ سلیم
جسے نظر تو ملی جذبۂ دروں نہ ملا

ملی تھیں ترکِ محبت کے بعد بھی آنکھیں
مگر وہ کیف، وہ اعجاز، وہ فسوں نہ ملا

فلک شگاف تھا اس درجہ اضطرابِ عمل
کہ بندگی میں فرشتوں کو بھی سکوں نہ ملا

نہ جانے کس کے سہارے رکا ہوا ہے فلک
ہمیں تو فرشِ زمیں پر کوئی ستوں نہ ملا

—:—

اسرارِ شگفتہ گل کیا اس کی نظر سمجھے
جو اپنے نشیمن کو صیاد کا گھر سمجھے

وحشت کے تقاضوں نے روکا نہ قدم ان کا
منزل کو بھی دیوانے اک راہ گزر سمجھے

سورج پہ جب اک بدلی چھائی تو دھندلکا تھا
کچھ لوگ دھندلکے کو آغازِ سحر سمجھے

صد چاک کیا ہم نے خود پیرہنِ ہستی
اس پر یہ قیامت کہ عیبوں کو ہنر سمجھے

یہ کون سی جدّت ہے ، یہ کیسی ترقی ہے
انسان ہی انسان کو مخلوقِ دگر سمجھے

پندارِ سیاست میں کھوئے ہوئے سودائی
تبلیغِ محبت کو توہینِ بشر سمجھے

آئینے میں جب دیکھی صورت تو ہوئے برہم
وہ اپنی نظر کو بھی دشمن کی نظر سمجھے

بے فیضِ جنوں دنیا ادراک بھی کھو بیٹھی
قدرت کو خرد والے اک شعبدہ گر سمجھے

کھل جائیں تکلّف اس پر اسرارِ خداوندی
اقبالؔ کے شعروں کو انسان اگر سمجھے

❊ ❊ ❊

میری بربادی کو چشمِ معتبر سے دیکھیے
میرؔ کا دیوان غالبؔ کی نظر سے دیکھیے
مسکرا کر یوں نہ اپنی رہ گزر سے دیکھیے
جس طرف میری نظر ہے ادھر سے دیکھیے

ہیں دلیل کم نگاہی اختلافاتِ نظر
زندگی کا ایک ہی رخ ہے جدھر سے دیکھیے

بھرتے رہتے ہیں جہنم زندگی کا چارہ ساز
دشمن جاں ہیں اگر گہری نظر سے دیکھیے

میرے غم خانے کے چاروں سمت ہیں دولت کدے
زندگی کی بھیک ملتی ہے کدھر سے دیکھیے

فطرتاً ہر آدمی ہے طالبِ امن واماں
دشمنوں کو بھی محبت کی نظر سے دیکھیے

بھیج دی تصویر اپنی ان کو یہ لکھ کر شکیل
آپ کی مرضی ہے چاہے جس نظر سے دیکھیے

⁂

روشنی سایۂ ظلمات سے آگے نہ بڑھی
زندگی کی شمع اک رات سے آگے نہ بڑھی

اپنی ہستی کا کبھی انسان کو عرفان نہ ہوا
خاک پھر خاک تھی اوقات سے آگے نہ بڑھی

حلقۂ زہد سے نہ ہٹا ہائے جمود
بندگی حمد ومناجات سے آگے نہ بڑھی

نام بدنام ہوا صنفِ غزل کا لیکن
شاعری رسم وروایات سے آگے نہ بڑھی

بے تکلف ہوئی تجدید ملاقات مگر

وہ بھی اک تشنہ ملاقات سے آگے نہ بڑھی

زلف بر دوش وہ اک بار تو آئے بے شکیل

پھر کوئی رات اس رات سے آگے نہ بڑھی

٭٭٭

غمِ عاشقی سے کہہ دو رہِ عام تک نہ پہنچے

مجھے خوف ہے یہ تہمت مرے نام تک نہ پہنچے

میں نظر سے پی رہا تھا تو دل نے بد دعا دی

ترا ہاتھ زندگی بھر کبھی جام تک نہ پہنچے

وہ نوائے مضمحل کیا نہ ہو جس میں دل کی دھڑکن

وہ صدائے اہلِ دل کیا جو عوام تک نہ پہنچے

مرے طائرِ نفس کو نہیں باغباں سے رنجش

ملے گھر میں آب و دانہ تو یہ دام تک نہ پہنچے

نئی صبح پر نظر ہے، مگر آہ یہ بھی ڈر ہے

یہ سحر بھی رفتہ رفتہ کہیں شام تک نہ پہنچے

یہ ادائے بے نیازی، تجھے بے وفا مبارک

مگر ایسی بے رخی کیا کہ سلام تک نہ پہنچے

جو نقاب رخ اٹھا دی تو یہ قید بھی لگا دی

اٹھے ہر نگاہ لیکن، کوئی بام تک نہ پہنچے

انہیں اپنے دل کی خبریں مرے دل سے مل رہی ہیں
میں جو ان سے روٹھ جاؤں تو پیام تک نہ پہنچے
وہی اک خموش نغمہ ہے شکیلؔ جانِ ہستی
جو زبان پر نہ آئے جو کلام تک نہ پہنچے

٭٭٭

کرنے دو اگر قتال جہاں تلوار کی باتیں کرتے ہیں
ارزاں نہیں ہوتا ان کا لہو جو پیار کی باتیں کرتے ہیں
یہ عیش و طرب کے متوالے بیکار کی باتیں کرتے ہیں
پائل کے غموں کا علم نہیں جھنکار کی باتیں کرتے ہیں
ناحق ہے ہوس کے بندوں کو نظارۂ فطرت کا دعویٰ
آنکھوں میں نہیں ہے بینائی، دیدار کی باتیں کرتے ہیں
غم میں بھی رہا احساس طرب، دیکھو تو ہماری نادانی!
ویرانے میں ساری عمر کٹی، گلزار کی باتیں کرتے ہیں
بے نقد عمل جنت کی طلب، کیا شے ہیں جناب واعظ بھی
مٹھی میں نہیں دام و درم، بازار کی باتیں کرتے ہیں
کہتے ہیں انہیں کو دشمنِ دل ہے نام انہیں کا ناصح بھی
وہ لوگ جو رہ کر ساحل پر منجدھار کی باتیں کرتے ہیں
پہنچے ہیں اپنی منزل پر ان کو تو نہیں کچھ نازِ سفر!
چلنے کا جنہیں مقدور نہیں، رفتار کی باتیں کرتے ہیں

یہ اہلِ قلم، اہلِ ہنر، دیکھو تو شکیلؔ ان سب کے جگر
فاقوں سے ہیں دل مرجھائے ہوئے دلدار کی باتیں کرتے ہیں

--- ::: ---

ہنگامۂ غم سے تنگ آکر اظہارِ مسرت کر بیٹھے
مشہور تھی اپنی زندہ دلی دانستہ شرارت کر بیٹھے

کوشش تو بہت کی ہم نے مگر پایا نہ غمِ ہستی سے مفر
ویرانیٔ دل جب حد سے بڑھی گھبرا کے محبت کر بیٹھے

ہستی کے طلاطم پنہاں تھے عیش و طرب کے دھارے بھی
افسوس ہمیں سے بھول ہوئی اشکوں پہ قناعت کر بیٹھے

زندانِ جہاں سے یہ نفرت اے حضرتِ واعظ کیا کہنا
اللہ کے آگے بس نہ چلا بندوں سے بغاوت کر بیٹھے

گلچیں نے تو کوشش کر ڈالی سونی ہو چمن کی ہر ڈالی
کانٹوں نے مبارک کام کیا پھولوں کی حفاظت کر بیٹھے

اللہ تو سب کی سنتا ہے، جرأت ہے شکیلؔ اپنی اپنی
حالیؔ نے زباں سے اُف بھی نہ کی اقبالؔ شکایت کر بیٹھے

--- ::: ---

تری بندگی کے ٹھکانے بہت ہیں — کہاں سر جھکے آستانے بہت ہیں
خزاں میں بہاروں کے چرچے کئے جا — جنوں کے یہی تازیانے بہت ہیں
میں اس دور کی ترجمانی تو کرلوں گا — مگر میرے آگے زمانے بہت ہیں

یہ دنیا حقیقت کے قائل نہیں ہے — فسانے سناؤں فسانے بہت ہیں
چمن پر صدا گرتی رہتی ہے بجلی
شکیلؔ آج بھی آشیانے بہت ہیں

❊ ❊ ❊

مغرور میری چشم تماشہ ہے ان دنوں
سو بار ان کو دور سے دیکھا ہے ان دنوں

آرائشوں سے حسن مبرا ہے ان دنوں
شاید کہ آئینے سے بھی پردہ ہے ان دنوں

پنہاں ہے زلف سر پہ دوپٹہ ہے ان دنوں
میں کیا شب فراق بھی تنہا ہے ان دنوں

جس کو غرور حسن ہو آ جائے سامنے
اپنی نظر پہ مجھ کو بھروسہ ہے ان دنوں

دامن سے خشک دیدۂ پر نم نہ کیجیے
عادت کا ہے یہ جام جو چھلکا ہے ان دنوں

ہے جانب حرم در کاشانۂ صنم
سورج خلاف سمت نکلتا ہے ان دنوں

چھپ چھپ کے دیکھتے ہیں وہ چلمن کی اوٹ سے
جلوے پکارتے ہیں کہ پردہ ہے ان دنوں

اے جانِ انجمن تری رعنائیوں کی خیر!
آجا ترا شکیلؔ اکیلا ہے ان دنوں

اشکِ غم ظاہر بھی ہو کر رازداروں میں رہا
میری آنکھوں سے جدا ہو کر ستاروں میں رہا

انبساطِ عاشقی میرے مقدر میں کہاں
زندگی بھر زندگی کے سوگواروں میں رہا

دل وہ زاہد ہے جو ان مخمور نظروں کے طفیل
بن گیا ہے خوار پھر بھی دینداروں میں رہا

ایک تم جو وعدۂ لطف و کرم کرتے رہے
ایک میں جو عمر بھر امیدواروں میں رہا

یوں تو ہیں مشہور دونوں فرق یہ ہے محتسب
میں دلوں پر نقش ہوں تو اشتہاروں میں رہا

ہر تبسم پر ترے بڑھتی گئی دل کی خلش
فصلِ گل بھی آئی لیکن پھول خاروں میں رہا

ایک مشتِ خاک ہوں لیکن مرے در پہ شکیلؔ
آسماں بھی عمر بھر سجدہ گزاروں میں رہا

⁂

حجابوں سے باہر وہ کم دیکھتے ہیں
نگراں سے کہہ دو کہ ہم دیکھتے ہیں

نہیں کہکشاں یہ جو ہم دیکھتے ہیں
خود اپنا ہی نقشِ قدم دیکھتے ہیں

اثر کر چلی ہیں ہماری دعائیں
وہ مشکوک نظروں سے کم دیکھتے ہیں

گر ان کے ہاتھوں سے آئینہ چھٹ کر پلٹ کر جو دیکھا کہ ہم دیکھتے ہیں

شکیل اپنی ہستی سے ہے رنگِ محفل

زمانہ ہمیں، ان کو ہم دیکھتے ہیں

⁂

آج رندوں میں واعظ کدھر آ گئے
بے جھجک آ گئے بے خطر آ گئے

گفتگو ان سے ہوتی یہ قسمت کہاں
یہ ان کا کرم ہے نظر آ گئے

آنا جانا کبھی یہ خوب ہے آپ کا
بے کہے چل دیئے بے خبر آ گئے

ہم تو رونے ہی نکلے عشق میں رات دن
تم بھی آخر اسی راہ پر آ گئے

عشق کو جان دینے کی تھی آرزو
کام زنداں کے دیوار و در آ گئے

ہم نے عزمِ سفر کر لیا اے شکیل
قافلے جب سرِ راہ گزر آ گئے

⁂

شعر و شراب و نغمہ کے حق دار بن گئے
بندے خدا کو بھول کے فن کار بن گئے

سوئے تو عیش و رنگ نے دیں آ کے تھپکیاں
جاگے تو کائنات کے غم خوار بن گئے

حل ہو سکا نہ جب غمِ ہستی کا مسئلہ
کچھ سوچ کر حریف غمِ یار بن گئے

گھٹتے ہی عقل بڑھنے لگا زعمِ آگہی
بے ہوشیوں کے سایہ میں ہوشیار بن گئے

ایماں کو کفر، کفر کو ایماں سمجھ لیا
دو گھونٹ پی کے اور سیہ کار بن گئے

⁂

طوفاں بدوش آجا اے گردشِ زمانہ
بلبل نے پھونک ڈالا اپنا ہی آشیانہ
کیوں ہو غمِ محبت دور از غمِ زمانہ
وہ بھی مری کہانی، یہ بھی مرا فسانہ
کلفت ہو جن میں شامل ایسے تو غم بہت ہیں
راحت ہو جس کا حاصل اس غم کا کیا ٹھکانہ
نیند آرہی ان کو آنکھیں جھپک رہی ہیں
لو بند ہو رہا ہے میرا شراب خانہ
غفلت شعاریوں پر کیوں اسقدر ہو نادم
میں سچ ہی مان لوں گا کر دو کوئی بہانہ
اس کائناتِ غم میں خوشیاں کہاں بلبسؔر
دیوانے ڈھونڈتے ہیں صحرا میں آب و دانہ
سوچا شکیلؔ کس نے رازِ عروج ہستی
ذوقِ عمل ہے مجرم بدنام ہے زمانہ

⁂

زندگانی خود حریفِ زندگانی ہو گئی

میں نے جب رکھا قدم دنیا پرانی ہو گئی

ہے وہی افسانہ لیکن کہنے والے اور ہیں

ہے وہی عنوان مگر لمبی کہانی ہو گئی

سازِ الفت چھڑ رہا تھا آنسوؤں کے تار پر

مسکرائے ہم تو ان کو بدگمانی ہو گئی

بن گیا وہ سہہ لیے جس نے ترے ظلم و ستم

مٹ گیا وہ جس پہ تیری مہربانی ہو گئی

زندگی کو اپنے مرکز سے ہٹا سکتا تھا کون

وہ تو کہیے کہ پھر برہم جوانی ہو گئی

کیا ترقی باعثِ تخلیق رجعت ہے شکیل

دن نئے آئے مگر قسمت پرانی ہو گئی

ذوقِ ستم جنوں کی حدوں سے گزر گیا

کم ظرف زندہ رہ گئے انسان مر گیا

غم خانۂ جہاں میں کسے جرأتِ قیام

میرا ہی حوصلہ تھا کہ دو دن ٹھہر گیا

ہے شدّتِ خلوص بھی اک جرم عاشقی
پروانہ جل کے شمع کو بدنام کر گیا

ڈرتے ہیں اہلِ دل بھی محبت کے نام سے
شیرازۂ حیات یہاں تک بکھر گیا

رہ کر طلسم خانۂ ہستی میں اے شکیلؔ
اکثر میں خود اپنے سایہ سے ڈر گیا

⁂

شعلہ بہ کف ہے زندگی امن داماں کی خیر ہو
مل کر دعائیں مانگئے سارے جہاں کی خیر ہو

رہ نہ سکیں گے اب نہاں رازِ درونِ میکدہ
رندوں کو ہوش آ گیا پیرِ مغاں کی خیر ہو

زہرِ حیات پی کے ہم کھیل رہے تھے موت سے
عشق نے پھر جلا دیا عمرِ رواں کی خیر ہو

ہیں میرے دل سے بے خبر، پھر بھی بزعمِ یک نظر
آئے ہیں بن کے چارہ گر دردِ نہاں کی خیر ہو

مصلحتوں نے ولولے چھین لیے ہیں اب شکیلؔ
اہلِ زباں ہیں کم سخن زورِ بیاں کی خیر ہو

⁂

جادۂ عشق میں گر گر کے سنبھلتے رہنا
پاؤں جل جائیں مگر آگ پہ چلتے رہنا

جلوۂ امن تمہیں سے ہے محبت والو
مہرِ تاباں کی طرح روز نکلتے رہنا

نغمۂ عشق نہ ہو اک ہی دھن پر قایم
وقت کے ساتھ ذرا راگ بدلتے رہنا

زندگی کو مہ و انجم نہ اجالا دیں گے
تم نہ ان جھوٹے کھلونوں سے بہلتے رہنا

ہے یہی وقت عمل جہد مسلسل کی قسم
بے سہاروں کی طرح ہاتھ نہ ملتے رہنا

زندگانی ہے فقط گرمیٔ رفتار کا نام
منزلیں ساتھ لیے راہ پہ چلتے رہنا

ہے ستاروں کی طرح مائلِ پرواز شکیلؔ
دشمنو! تم کو قسم ہے یوں ہی جلتے رہنا

٭ ٭ ٭

بیت گیا ہنگام قیامت روز قیامت آج بھی ہے
ترک تعلق کام نہ آیا، ان سے محبت آج بھی ہے

سخت سہی ہستی کے مراحل، عشق میں راحت آج بھی ہے
اے غمِ جاناں ہو نہ گریزاں، تیری ضرورت آج بھی ہے

گلشنِ حسن یار میں کرتے ہیں جو تلاشِ کیف دسکوں
لاکھ ہے برہم نظم دو عالم زلف میں نکہت آج بھی ہے

نور سحر ہے جانِ تصور، ظلمت شب سے کون ڈرے
لاکھ بنی ہے زیست جہنم، سامنے جنت آج بھی ہے

صبح بہار آئی تھی لے کر رُت بھی نئی شاخیں بھی نئی
غنچہ و گل سے پیار ہے لیکن شاخ سے نفرت آج بھی ہے

عرض تمنّا کر کے گنوایا ہم نے بھرم خودداری کا!
ہو گئی گو تکمیلِ تمنّا، دل کو ندامت آج بھی ہے

کر کے ستم کی پردہ پوشی، ہم نے انہیں بے عیب کیا
ورنہ شکیلؔ اپنے ہونٹوں پر، حرفِ شکایت آج بھی ہے

گیت

یہ زندگی کے میلے
دنیا میں کم نہ ہوں گے
افسوس ہم نہ ہوں گے

اک دن پڑے گا جانا
کیا وقت کیا زمانہ
کوئی نہ ساتھ دے گا
سب کچھ یہیں رہے گا
جائیں گے ہم اکیلے
یہ زندگی کے میلے

دنیا ہے موج دریا
قطرے کی زندگی کیا
پانی میں مل کے پانی
انجام یہ کہ فانی
دم بھر کو سانس لے لے
یہ زندگی کے میلے

ہوں گی یہی بہاریں
الفت کی یادگاریں
بگڑے گی اور بنے گی
دنیا یہی رہے گی
ہوں گے یہی جھمیلے
یہ زندگی کے میلے

فلم: میلہ :۔ موسیقی: نوشاد: مغنی: محمد رفیع

٭٭٭

جوگن بن جاؤں گی سیّاں تورے کارن
سیّاں تورے کارن ہو بلما تورے کارن
جیت لیا تورے گیت نے من کو
آگ لگی مورے بالا پن کو
نینوں میں کوئی آئے نہ دوجا
کروں گی نِس دن پریتم پوجا
بھجن تورے گاؤں گی بن کے پجارن
جوگن بن جاؤں گی . . . .
میں رسیا تورے من میں رہوں گی
پیار سے اپنی جھولی بھر دوں گی

او من بسیا او البیلے!
چھوڑ کے اونچے محلے دو محلے
میں تیری گلی آؤں گی بن کے بجکارن
جوگن بن جاؤں گی....

فلم: شباب: موسیقی: نوشاد: مغنیہ: لتا منگیشکر

چھوڑ بابل کا گھر
موہے پی کے نگر
آج جانا پڑا
سنگ سکھیوں کے جیون بتاتی تھی میں
بیاہ گڑیوں کا ہنس ہنس رچاتی تھی میں
سب سے منہ موڑ کر
کیا بتاؤں کدھر
آج جانا پڑا
یاد میکے کی دل سے بھلائے چلی
پریت ساجن کی من میں بسائے چلی
یاد کر کے یہ گھر
روئی آنکھیں مگر
موہے جانا پڑا
آج جانا پڑا

پہن الفت کا گہنا دولہن میں بنی
ڈولا آیا پیا کا سکھی میں چلی
یہ ننھا جھوٹا نگر
اس پیے چھوڑ کر
موہے جانا پڑا
آج جانا پڑا

فلم: بابل: موسیقی: نوشاد: مغنیہ: شمشاد بیگم

✼ ✼ ✼

زندگی دینے والے سن
تیری دنیا سے دل بھر گیا
میں یہاں جیتے جی مر گیا
رات کٹتی نہیں دن گزرتا نہیں
زخم ایسا دیا ہے کہ بھرتا نہیں
آنکھ ویران ہے، دل پریشان ہے، غم کا سامان ہے
جیسے جادو کوئی کر گیا
زندگی دینے والے سن
بے خطا تو نے مجھ سے خوشی چھین لی
زندہ رکھا مگر زندگی چھین لی

کر دیا دل کا خون، چپ کہاں تک رہوں، صاف کیوں نہ کہوں

تو خوشی سے مری ڈر گیا

زندگی دینے والے سن

فلم: دل ناداں: موسیقی: غلام محمد: طلعت محمود، مغنی

بچپن کے دن بھلا نہ دینا

آج ہنسے کل رُلا نہ دینا

لمبے ہیں جیون کے رستے

آؤ چلیں ہم گاتے ہنستے

دور دیش اک محل بنائیں

پیار کا جس میں دیپ جلائیں

دیپ جلا کر بجھا نہ دینا

آج ہنسے کل رلا نہ دینا، بچپن کے دن

رُت بدلے یا جیون بدلے

دل کے ترانے ہوں نہ پرانے

نینوں میں بن کر سپن سہانے

آئیں گے اک دن یہی زمانے

یاد ہماری مٹا نہ دینا

آج ہنسے کل رلا نہ دینا، بچپن کے دن

فلم: دیدار: موسیقی: نوشاد: مغنیہ: لتا منگیشکر اور شمشاد بیگم

آج مرے من میں سکھی بانسری بجائے کوئی
پیار بھرے گیت سکھی بار بار گائے کوئی
بانسری بجائے سکھی، سکھی، گائے سکھی ری
کوئی چھیلوا ہو کوئی البیلوا

رنگ میری جوانی کا لیے جھومتا گھر آیا ہے ساون
ہو سکھی ہو ری سکھی آیا ہے ساون مرے نینوں میں ساجن
ان اودی گھٹاؤں میں ہواؤں میں سکھی نا چے مرا من
آنگن میں ساون من بھاون ہو جی
دل کے ہنڈولے پہ موہے جھولنا جھلائے کوئی
پیار بھرے گیت سکھی ....

کہتا ہے اشاروں میں کوئی آموہے امبوا کے تلے مل بھلا وہ کون ہے گھائل
میں نام نہ لوں آج لگے لاج سکھی دھڑکے مرا دل، ہو سکھی دھڑکے مرا دل
آنگن میں ساون من بھاون ہو جی
تار پہ جیون کے مادھر راگنی سنائے کوئی
پیار بھرے گیت سکھی ....

فلم: آن: موسیقی: نوشاد:۔ مغنیہ: لتا منگیشکر اور کورس

❊ ❊ ❊

بھگوان ، بھگوان ، بھگوان

او دنیا کے رکھوالے، سن درد بھرے مرے نالے، سن درد بھرے مرے نالے

آس نراس کے دو رنگوں سے دنیا تو نے سجائی

نیا سنگ طوفان بنایا، ملن کے ساتھ جدائی

لٹ گئی میرے پیار کی دنیا اب تو تیر بہلے... او دنیا کے رکھوالے

آگ بنی ساون کی برکھا پھول بنے انگارے

ناگن بن گئی رات سہانی، پتھر بن گئے تارے

سب ٹوٹ چکے ہیں سہارے

جیون اپنا واپس لے لے، جیون دینے والے .... او دنیا کے رکھوالے

چاند کو ڈھونڈے پاگل سورج شام کو ڈھونڈے سویرا

میں بھی ڈھونڈوں اس پریتم کو، ہو نہ سکا جو میرا

بھگوان بھلا ہو تیرا

قسمت پھوٹی، آس نہ ٹوٹی، پاؤں میں پڑ گئے چھالے .. او دنیا کے رکھوالے

محل اداس اور گلیاں سونی چپ چپ ہیں دیواریں

دل کیا اجڑا دنیا اجڑی، روٹھ گئی ہیں بہاریں

ہم جیون کیسے گزاریں

مندر گرتا پھر بن جاتا، دل کو کون سنبھالے .... او دنیا کے رکھوالے

فلم: بیجو باورا: موسیقی: نوشاد: مغنی: محمد رفیع

٭٭٭

چلے آج تم جہاں سے ہوئی زندگی پرائی
تمہیں مل گیا ٹھکانہ ہمیں موت بھی نہ آئی

او دور کے مسافر
ہم کو بھی ساتھ لے لے
ہم رہ گئے اکیلے

تو نے وہ دے دیا غم بے موت مر گئے ہم
دل اٹھ گیا جہاں سے لے چل ہمیں یہاں سے
کس کام کی یہ دنیا
جو زندگی سے کھیلے
ہم کو بھی ساتھ لے لے

سونی ہیں دل کی راہیں خاموش ہیں نگاہیں
ناکام حسرتوں کا اٹھنے کو ہے جنازہ
چاروں طرف لگے ہیں
بربادیوں کے میلے
ہم کو بھی ساتھ لے لے

فلم: اڑن کھٹولہ : موسیقی : نوشاد : مغنی : محمد رفیع

رنگینیاں

شکیل بدایونی

مستِ جمالِ یار کو واقفِ حال کر دیا
اے غمِ زیست مرحبا تو نے کمال کر دیا

دامنِ حسنِ یار میں دیکھ کے دولت ستم
اہلِ ہوس تو چپ رہے میں نے سوال کر دیا

میں تو بہ جرأتِ تمام عشق کا زور دیکھتا
وہ تو غمِ حیات نے مجھ کو نڈھال کر دیا

تحفۂ گل کی آڑ میں سینکڑوں خار بھر دیئے
اس کو بہار کیا کہیں جس نے یہ حال کر دیا

عشرتِ خام کے خلاف کرتے رہے جہاد ہم
بزمِ طرب جہاں سجی ذکرِ ملال کر دیا

تجھ کو نہ کیوں میں ساقیا "مفتی" میکشاں لکھوں
ایک حرام چیز کو، تو نے حلال کر دیا

ناظمِ بزمِ زندگی تیرے کرم کا شکریہ
دے کے ہزار درد و غم مجھ کو نہال کر دیا

آہ وہ دورِ عاشقی، جس کو بیک نفس شکیلؔ
گردشِ روزگار نے خواب و خیال کر دیا

٭٭٭

نئے باغباں نے چمن بیچ ڈالا — گھٹا دیکھ کر حسنِ ظن بیچ ڈالا

مقدر میں مٹ کر بھی عریانیاں تھیں — جنازے خریدے کفن بیچ ڈالا

جنوں جس کو دنیا سے منوا رہا ہے — خرد نے وہی علم و فن بیچ ڈالا

زمانے سے چھپ کر کیے تن کے سودے — ہوس نے سنایا تو من بیچ ڈالا

درِ خسروی کی غلامی تو لے لی

مگر جذبۂ کوہ کن بیچ ڈالا

⁂

جو کل تک اپنے لیے جانِ زندگی تھے شکیلؔ

اب اُن حسین مشاغل سے واسطہ نہ رہا

⁂

زمیں پر فصلِ گل آئی، فلک پر ماہتاب آیا

سبھی آئے، مگر کوئی نہ شایانِ شباب آیا

مرا خط پڑھ کے بولے نامہ بر سے جا خدا حافظ

جواب آیا مری قسمت سے، لیکن لاجواب آیا

اُجالے گرمیِ رفتار کا ہی ساتھ دیتے ہیں

بسیرا تھا جہاں اپنا وہیں تک آفتاب آیا

شکیلؔ اپنے مذاقِ دید کی تکمیل کیا ہو گی!

ادھر نظروں نے ہمت کی اُدھر رخ پر نقاب آیا

⁂

چاندنی میں رُخِ زیبا نہیں دیکھا جاتا
ماہ و خورشید کو یکجا نہیں دیکھا جاتا

یوں تو ان آنکھوں سے کیا کیا نہیں دیکھا جاتا
ہاں مگر اپنا ہی جلوا نہیں دیکھا جاتا

ضبطِ غم، ہاں وہی شکوؤں کا تلاطم اکبار
اب تو سوکھا ہوا دریا نہیں دیکھا جاتا

زندگی آ تجھے قاتل کے حوالے کر دوں
مجھ سے اب خونِ تمنا نہیں دیکھا جاتا

اب تو جھوٹی بھی تسلی بسر و چشم قبول
دل کا رہ رہ کے تڑپنا نہیں دیکھا جاتا

٭٭٭

اے محبت ترے انجام پہ رونا آیا
جانے کیوں آج ترے نام پہ رونا آیا

یوں تو ہر شام امیدوں میں گزر جاتی ہے
آج کچھ بات ہے جو شام پہ رونا آیا

کبھی تقدیر کا ماتم، کبھی دنیا کا گلہ!
منزلِ عشق میں ہر گام پہ رونا آیا

مجھ پہ ہی ختم ہوا سلسلۂ نوحہ گری
اس قدر گردشِ ایام پہ رونا آیا

جب ہوا ذکر زمانے میں مسرّت کا شکیلؔ
مجھ کو اپنے دلِ ناکام پہ رونا آیا

٭٭٭

تم نے یہ کیا ستم کیا ضبط سے کام لے لیا
ترکِ وفا کے بعد بھی میرا سلام لے لیا

رندِ خراب نوش کی بے ادبی تو دیکھیے
نیتِ مے کشی نہ کی، ہاتھ میں جام لے لیا

ہائے وہ پیکرِ ہوس، آہ وہ خوگرِ قفس
بیچ کے جس نے آشیاں حلقۂ دام لے لیا

بادہ کشانِ عشق کو کچھ تو ملا پئے سکوں
حسنِ سحر نہ لے سکے، جلوۂ شام لے لیا

نامۂ شوق پڑھ کے وہ کھو گئے یک بیک شکیلؔ
منہ سے تو کچھ نہ کہہ سکے، دل سے پیام لے لیا

٭٭٭

نالہ مرا حدودِ اثر تک پہنچ گیا
ان کا بھی ہاتھ ان کے جگر تک پہنچ گیا

جلوے تمام اہلِ بصیرت نے چن لیے
جو بچ گیا وہ میری نظر تک پہنچ گیا

منزل کے خواب دیکھنے والے تو سو گئے
میں شام سے چلا تو سحر تک پہنچ گیا

ہنستی قضا مری، مجھے مایوس دیکھ کر
اچھا ہوا کہ میں ترے در تک پہنچ گیا
انسان کل تو عرش سے اونچا تھا اے شکیلؔ
آج اتنا گھٹ گیا کہ قمر تک پہونچ گیا

٭٭٭

آج پھر گردشِ تقدیر پہ رونا آیا
دل کی بگڑی ہوئی تصویر پہ رونا آیا
عشق کی قید میں اب تک تو امیدوں پہ جئے
مٹ گئی آس تو زنجیر پہ رونا آیا
کیا حسیں خواب محبت نے دکھایا تھا ہمیں
کھل گئی آنکھ تو تعبیر پہ رونا آیا
پہلے قاصد کی نظر دیکھ کے دل سہم گیا
پھر تری سرخیٔ تحریر پہ رونا آیا
دل گنوا کر بھی محبت کے مزے مل نہ سکے
اپنی کھوئی ہوئی تقدیر پہ رونا آیا
کتنے مسرور تھے جینے کی دعاؤں پہ شکیلؔ
جب ملے رنج تو تاثیر پہ رونا آیا

٭٭٭

زندگی کا درد لے کر انقلاب آیا تو کیا
ایک دوشیزہ پہ غربت میں شباب آیا تو کیا
تشنۂ انوار ہے اب تک عروسِ زندگی
بادلوں کی پالکی میں آفتاب آیا تو کیا
اب تو آنکھوں پر غمِ ہستی کے پردے پڑ گئے
اب کوئی حسنِ مجسّم بے نقاب آیا تو کیا

پھر وہی جہدِ مسلسل، پھر وہی فکرِ معاش
منزلِ جاناں سے کوئی کامیاب آیا تو کیا

اک تجلّی سے منوّر کیجیے قصرِ حیات
ہر تجلی پر دلِ خانہ خراب آیا تو کیا

بات جب ہے غم کے ماروں کو جلا دے اے شکیلؔ
تو یہ زندہ میتیں مٹی میں داب آیا تو کیا

⁂

دل لذتِ نگاہِ کرم پا کے رہ گیا
کتنا حسین خواب نظر آ کے رہ گیا

میرے دلِ تباہ کا عالم نہ پوچھیے
اک پھول تھا جو کھلتے ہی مرجھا کے رہ گیا

بیگانہ وار جب وہ گزرتے چلے گئے
کچھ بیقرار دل مجھے سمجھا کے رہ گیا

ان کے حضور لب تو مکرّر نہ کھل سکے
رودادِ غم نگاہ سے دوہرا کے رہ گیا

یوں ختم داستانِ محبت ہوئی شکیلؔ
جیسے کوئی حسین غزل گا کے رہ گیا

⁂

قیدِ قفس میں مژدۂ فصلِ بہار کیا
اڑتی ہوئی خبر ہے کریں اعتبار کیا

مایوسِ زندگی، المِ روزگار کیا
جینا تو خود ہی موت ہے جینے سے عار کیا

پنہاں ہے قہقہوں میں صدائے شکستِ دل
دنیا اسی کا نام ہے پروردگار کیا

آئینۂ جمال ہے دنیائے رنگ و بو
آغوشِ کائنات ہے آغوشِ یار کیا

وعدے اور اعتبار میں ہے ربطِ باہمی
اس ربطِ باہمی کا مگر اعتبار کیا

زخمِ نگاہِ ناز سلامت رہے شکیلؔ!
سو بار مسکرائیں گے، ہم ایک بار کیا

رنگِ صنم کدہ جو ذرا یاد آگیا
ٹوٹیں وہ بجلیاں کہ خدا یاد آگیا

ہر چند دل کو ترکِ محبت کا تھا خیال
لیکن کسی کا عہدِ وفا یاد آگیا

جیسے کسی نے چھین لی رنگینیٔ بہار
کیا جانئے بہاریں کیا یاد آگیا

اللہ رے ستم کہ انھیں مجھ کو دیکھ کر
سب کچھ محبتوں کے سوا یاد آگیا

مجھے آرزوے ستم ہی تھی، مگر اس نے درسِ وفا دیا
ہیں نثار بخششِ حسن کے، مرے ظرف سے بھی سوا دیا
ہیں اسے کسی کی وفا کہوں کہ شکیلؔ عین جفا کہوں
اگر ایک بار ہنسا دیا تو ہزار بار رلا دیا

ہر نفس اُن کا خیال آتا رہا
زندگی پر پھول برساتا رہا

عشق میں ثابت قدم رہ کر بھی میں
ہر قدم پر ٹھوکریں کھاتا رہا

اللہ اللہ ضبطِ غم کی دولتیں
عمر بھر کھوتا رہا، پاتا رہا

ان کے اک عہدِ فریب انجام سے
زندگی بھر دل کو بہلاتا رہا

نظر نواز نظاروں میں جی نہیں لگتا
وہ کیا گئے کہ بہاروں میں جی نہیں لگتا
شبِ فراق کو اے چاند آکے چمکا دے
نظر اداس ہے تاروں میں جی نہیں لگتا

☆☆☆

دل ہی سوزِ دردوں سے جل جاتا ۔۔۔ کوئی ارمان تو نکل جاتا
ہے جو سب کچھ تو دل نہیں لگتا ۔۔۔ کچھ نہ ہوتا تو دل بہل جاتا
ہم خوشی سے جو تیرا غم سہتے ۔۔۔ غم کا عنوان ہی بدل جاتا
جنبشِ یک نظر کی حسرت تھی ۔۔۔ کوئی گرتا ہوا سنبھل جاتا
تم نگاہیں چرا چرا لیتے
رنگِ محفل بدل بدل جاتا

☆☆☆

شاعرِ بزمِ عقل و ہوش، ہاں کوئی نغمہ سروش
دل کی صدا ہے کیوں خموش، دل کی صدا کو کیا ہوا
یوں تو ہزار نقش ہیں صفحۂ کائنات پر
اس کا پتہ نہیں مگر، نقشِ وفا کو کیا ہوا

☆☆☆

دل مرکزِ حجاب بنایا نہ جائے گا | ان سے کبھی رازِ عشق چھپایا نہ جائے گا
آنکھوں میں اشک، قلب پریشاں نظر اداس | اس طرح ان کو چھوڑ کے جایا نہ جائے گا
وہ خود کہیں تو شرحِ محبت بیاں کروں | نغمہ بغیر ساز سنایا نہ جائے گا
بہتر یہی ہے ذکرِ محبت نہ چھیڑیئے | نقشہ بگڑ گیا تو بنایا نہ جائے گا

دل کی طرف شکیلؔ توجہ ضرور ہو
یہ گھر اجڑ گیا تو بسایا نہ جائے گا

٭٭٭

بدمست ہو کے اے نگہِ ناز دیکھنا | پھر میری لغزشوں کے کبھی انداز دیکھنا
ترکِ نیازِ شوق کا اعجاز دیکھنا | سونی پڑی ہے انجمنِ ناز دیکھنا
سوز و گدازِ نغمۂ بے ساز دیکھنا | سارا جہاں ہے گوش بر آواز دیکھنا
ان کے حریم ناز کے پردوں کو چھو لیا | میری نظر کی جرأتِ آغاز دیکھنا
یوں دیکھتی ہے جیسے نہیں دیکھتی نظر | ظالم کے دیکھنے کے یہ انداز دیکھنا

بت خانۂ جمال میں آئے تو ہو شکیلؔ
آساں نہیں ہے حسنِ خدا ساز دیکھنا

٭٭٭

دیتی ہیں بہاریں انہیں پیغامِ سکوں کیا
معلوم نہیں فطرتِ اربابِ جنوں کیا
اس مشقِ تغافل کی قسم یہ تو بتا دے
تا عمر میں بے تاب ہی بے تاب رہوں کیا

ہاں تیری خوشی میری خوشی ہے اے دوست
اس لطفِ مسلسل کا کبھی شکوہ نہ کروں کیا

مخلوق بھی ہستی مری، خالق بھی مری ذات
اس پر بھی مجھے علم نہیں ہے کہ میں ہوں کیا

سب تیری محبت کی عنایات ہیں ورنہ
میں کیا، مرا دل کیا، مرے اندازِ جنوں کیا

مانا کہ بہت تلخ ہے انجامِ تمنّا
یہ غم تری خاطر بھی گوارا نہ کروں کیا

اک عالمِ عرفانِ حقیقت ہے محبت
اک منزلِ ادراک محبت ہے جنوں کیا

⁂

بہت کچھ ہو چکی ہیں زندگی میں خامیاں پیدا
ضرورت ہے نئے سر سے ہو پھر بزمِ جہاں پیدا

تغافل در نظر پنہاں، شکایت بر زباں پیدا
یہ کیا شے ہو گئی ہے میرے انکے درمیاں پیدا

چمن میں رونقِ فصلِ بہاراں دیکھنے والے
چمن ہی کے کسی گوشے سے ہوتی ہے خزاں پیدا

تعجب ہے وہ کیوں کر زندگی کو منہ دکھاتے ہیں
جو دنیا میں ہوئے جینے کو بے نام و نشاں پیدا

وہ ناکامِ محبت ہوں جسے باوصفِ رسوائی
کوئی ہمدم میسّر ہے نہ کوئی رازداں پیدا

؎ ؎

بہارِ میکدہ اپنی، سرِ گلشن تمام آیا
مگر کچھ اس طرح جیسے نہ پھول اپنا نہ جام اپنا
نمودِ صبح فرقت کی حقیقت پوچھنے والو
اَلم سے تنگ آکر رُخ بدل لیتی ہے شام اپنا
زباں کو اذنِ گویائی، نہ کچھ دل کو پذیرائی
یہی آدابِ محفل ہے تو محفل کو سلام اپنا
اسیرانِ قفس سے بے خودی تکذیبِ ایماں ہے
کوئی اربابِ گلشن تک یہ پہنچا دے پیام اپنا
شکیلؔ! اس دَور کے مغرب زدہ فنکار سے کہہ دو
زمانے کو پلٹ دے گا یہی رنگِ کلام اپنا

؎ ؎

وقتِ سحر خوشی کا مزا غم میں آگیا — ہر پھول ہنس کے دامنِ شبنم میں آگیا
بے فصلِ گل ہی بار تھی ناصح کی گفتگو — ظالم کہاں بہار کے موسم میں آگیا
مرہونِ دستِ ناز نہیں جامِ آرزو — یہ جام خود ہی گردشِ پیہم میں آگیا
کچھ شاد تھے وہ اپنے غرورِ جفا پہ آج — کچھ لطف میرے شکوۂ پیہم میں آگیا
ہٹ کر کسی کی بارگہِ ناز سے شکیلؔ
محسوس یہ ہوا کہ جہنم میں آگیا

بے کسی سے مرنے والے کا بھرم رہ جائے گا
وہ ضرور آئیں گے جب آنکھوں میں دم رہ جائے گا

کیا خوشی میں زندگی کا ہوش کم رہ جائے گا
غم اگر مٹ بھی گیا، احساسِ غم رہ جائے گا

ہائے وہ اک عالمِ بے تابیٔ پنہاں کہ جب
فاصلہ منزل سے اپنا دو قدم رہ جائے گا

چھیڑ دی میں نے اگر روداد حسنِ شش جہت!
نامکمل قصۂ دیر و حرم رہ جائے گا

~ ⁂ ~

راہِ خدا میں عالمِ رندانہ مل گیا
مسجد کو ڈھونڈھتے تھے کہ میخانہ مل گیا

آغازِ کائنات سے جس کی تلاش تھی
اوراقِ زندگی میں وہ افسانہ مل گیا

اہلِ جنوں کو تاب کہاں سوزِ حسن کی
جلتے ہی شمع خاک میں پروانہ مل گیا

دیکھا نگاہِ یاس سے جب گلکدے کا رنگ
ہر گل کی آڑ میں کوئی ویرانہ مل گیا

اک اک زبان پر مری روداد ہے شکیلؔ
اپنوں کے ساتھ کیا کوئی بیگانہ مل گیا

~ ⁂ ~

وہ کیفِ حسن و عشق وہ لطفِ غزل گیا
ذوقِ سلیم ڈر کر زمانہ بدل گیا

جس بزم میں سنی تھی محبت کی داستاں
اس بزم کا خیال ہی دل سے نکل گیا

میں نے ہی زندگی میں بھرا تھا خوشی کا رنگ
جادو مجھی پہ گردشِ دوراں کا چل گیا

گزری ہوئی بہار کو اب اور کیا کہوں
اک لمحۂ فریب تھا جو آکے ٹل گیا

اے مہرِ صبح اپنی شعاعوں کو پھونک دے
جس دن پہ مجھ کو ناز تھا وہ دن ہی ڈھل گیا

اب امتحانِ تیز خرامی ہے اور ہم
لو کارواں تو حدِّ نظر سے نکل گیا

❊ ❊ ❊

کیوں نہ تقدیر پہ ہو نازِ دنعم آج کی رات
سن رہے ہیں وہ مرا قصۂ غم آج کی رات

اٹھ گئی میری طرف چشم کرم آج کی رات
چھپ گئے دامنِ فردا میں ستم آج کی رات

بدگمانی ہوئی جاتی ہے یقیں در آغوش
کھا رہے ہیں وہ محبت کی قسم آج کی رات

سوچتا ہوں میں بہ ایں عالمِ فردوس خیال
کیا ہوا شدّتِ احساسِ اَلم آج کی رات

نگہِ لطفِ مسیحا سے بھی تسکیں نہ ہوئی
درد پہلے سے زیادہ ہے نہ کم آج کی رات

⁂

خودداریوں کی موت سمجھنا انہیں شکیلؔ
حاصل ہوں نعمتیں جو بڑی التجا کے بعد

⁂

لب صرفِ تکلّم ہیں تو نظریں ہیں کہیں اور
اِن باتوں سے ہوتا ہے محبت کا یقیں اور

مغرور ہوئے جاتے ہیں تنکے بھی چمن میں
اے برق ذرا میرے نشیمن کے قریں اور

مسجد کے ارادے سے نکلتے تو ہیں زاہد
لیکن انھیں جاتے ہوئے دیکھا ہے کہیں اور

وہ مہلتِ اظہارِ تشکّر نہیں دیتے
کچھ اس کے سوا ان سے شکایت ہی نہیں اور

ہے ترکِ محبت کا شکیلؔ اب تو یہ عالم
میں جتنا بھلاتا ہوں وہ ہوتے ہیں قریں اور

دور ہیں وہ اور کتنی دور　　پھر بھی مری نظروں کے حضور
رنج و مصیبت ، جور و ستم　　آپ کی خاطر سب منظور
دل پر بیتے لب تک نہ آئے　　ہائے محبت کا دستور
پردۂ رنگ و بو تو اٹھاؤ　　ہوگا کوئی نہ کوئی ضرور
دورِ ترقی کیا ہے شکیلؔ
دنیا کی عقلوں کا فتور

٭٭٭

کوئی بتلائے کہ رہنما نے کیا بھی کیا خیر خواہ بن کر
ہم اپنی منزل پہ رفتہ رفتہ پہنچ گئے گردِ راہ بن کر

٭٭٭

تمہیدِ ستم اور ہے تکمیلِ جفا اور
چکھنے کا مزا اور ہے پینے کا مزا اور
دونوں ہی بنائے جذب و کشش ہیں لیکن
نغموں کی صدا اور ہے نالوں کی صدا اور
اے فطرتِ غم! زیست ہی کیا کم تھی مصیبت
نازل ہوئی اس پر یہ محبت کی بلا اور
ٹکرا کے وہیں ٹوٹ گئے شیشہ و ساغر
میخواروں کے جھرمٹ میں جو ساقی نے کہا اور
وہ خود نظر آتے ہیں جفاؤں پہ پشیماں
کیا چاہیے اب تم کو شکیلؔ اس کے سوا اور

گلشن ہو پھر تصرفِ دورِ خزاں سے دور
یہ مرحلہ نہیں مرے عزمِ جواں سے دور

ہو کیوں حدیثِ دردِ محبت زباں سے دور
رہتا ہے رازِ دل بھی کبھی راز داں سے دور

جائے کہاں کوئی درِ مے خانہ چھوڑ کر؟
خلدِ بریں ہے جنتِ اربابِ جاں سے دور

تفریقِ رہ روانِ محبت تو دیکھیے
کچھ کارواں کے ساتھ ہیں کچھ کارواں سے دور

اے دل خیالِ ترکِ تمنّا بجا سہی
لیکن یہاں کی بات نہ جائے یہاں سے دور

مجبوریٔ مسرّتِ بے کیف کی قسم
فصلِ بہار رہ نہ سکے گی خزاں سے دور

فاؔنی کے شعرِ حسن کے تشکیل اس زمین میں
ذوقِ سخن ہے جرأتِ عرضِ بیاں سے دور

⁂

دلِ غمزدہ پر جفائیں کہاں تک؟ — یہ دلچسپ دلکش خطائیں کہاں تک؟
نہ مرنے کی فرصت نہ جینے کا یارا — ترے غم کی تہمت اٹھائیں کہاں تک
یوں ہی جائزہ دل کا لیتی رہیں گی — نگاہوں کی رنگیں شعاعیں کہاں تک
ہمیں دیکھنا ہے وہ محفل میں شمعیں — جلائیں کہاں تک، بجھائیں کہاں تک؟

یہ دیکھوں مری تشنہ کامی کے غم میں برستی رہیں گی گھٹائیں کہاں تک؟

یہ زورِ کلامِ شکیلؔ اللہ اللہ

مخالف بھی زور آزمائیں کہاں تک؟

❊ ❊ ❊

قرباں کسی پہ دولتِ ہستی ہے آج کل

دل چیز کیا ہے جان بھی سستی ہے آج کل

نالوں کے احتجاج سے برہم ہے آسماں

لوحِ فلک سے آگ برستی ہے آج کل

ارض و سمانے مِل کے بپا حشر کر دیا

معدوم فرقِ رفعت و پستی ہے آج کل

آغوشِ زندگی جیسے کہیے وہ کائنات

اسبابِ زندگی کو ترستی ہے آج کل

ساقی بھی ہے، شراب بھی، لیکن نہ جانے کیوں

دل بے نیازِ شورشِ مستی ہے آج کل

جس دل میں تھی متاعِ غمِ عاشقی شکیلؔ،

اس دل میں آتشِ غمِ ہستی ہے آج کل

❊ ❊ ❊

دھندلی دھندلی فضا، نہ صبح نہ شام
ہائے کمبخت زندگی کا نظام

دیدہ و دل ہیں خوگرِ آلام!
تیرے قربان ساقیا! اک جام

حسن کی چشمِ اوّلیں کی قسم
عشق نے خود پا لیا اپنا مقام

قفسِ مرگِ بے اماں کی قسم
زندگی ہے فریب دانہ و دام

آپ نے کس نظر سے دیکھا تھا
دل ابھی تک ہے موردِ الزام

ممکن نہیں کہ دور ہوں راہِ وفا سے ہم
بہکے بھی گر کبھی تو انہیں کی رضا سے ہم

پھیکا سا ہو چلا ہے کچھ افسانۂ حیات
آؤ کہ اس میں رنگ بھریں ابتدا سے ہم

یہ عشق یہ بلندیٔ عرفاں تو دیکھنا
راہِ حیات پوچھ رہے ہیں قضا سے ہم

بے اختیار مانگ لی تیرے ستم کی خیر
شرمندہ ہو کے رہ گئے دستِ دعا سے ہم

ان کی ندامتوں نے سہارا دیا شکیلؔ
ڈرتے تھے اپنی جرأتِ بے مدعا سے ہم

جل کے اپنی آگ میں خود صورتِ پروانہ ہم
بن گئے ہم رشتۂ خاکِ درِ جانانہ ہم
دیکھئے کس راہ سے جائے سکوں کی جستجو
چل تو نکلے ہیں بہ یک اندازِ بے تابانہ ہم
حالِ دل، احوالِ غم، شرحِ تمنا، عرضِ شوق
بے خودی میں کہہ گئے افسانہ در افسانہ ہم
فرصتِ یک لمحہ دے دیتی جو فکرِ روزگار
یاد کر لیتے کوئی بھولا ہوا افسانہ ہم
جب جفا و جور بھی جزوِ محبت ہیں شکیلؔ
کس لیے رہتے جفا و جور سے بیگانہ ہم

کشمکشِ حیات کو جزوِ حیات پا کے ہم
ہر غمِ بے پناہ پر رہ گئے مسکرا کے ہم
جذب انہیں میں ہو گئے انکے حضور جا کے ہم
اپنی نظر سے کھو گئے ان سے نظر ملا کے ہم
غم ہی سکوں نواز تھا، غم ہی خوشی کا راز تھا
آہ کہ خوش نہ رہ سکے غم سے نجات پا کے ہم
اس نے مزاجِ یار کو زحمتِ برہمی نہ دی
شکر گزار کیوں نہ ہوں نالۂ نارسا کے ہم

تازہ بہ تازہ نو بہ نو، اُف وہ فریب کاریاں
بیٹھ سکے نہ مطمئن حسن کو آزما کے ہم

***

اس درجہ بدگماں ہیں خلوصِ بشر سے ہم
اپنوں کو دیکھتے ہیں پرائی نظر سے ہم

وہ مِل گئے تو اپنا ہی دھوکا ہوا ہمیں
آئینہ آج دیکھ کے نکلے تھے گھر سے ہم

غنچوں سے پیار کر کے یہ عزت ملی ہمیں
چومے قدم بہار نے گزرے جدھر سے ہم

واللہ تجھ سے ترکِ تعلق کے بعد بھی
اکثر گزر گئے ہیں تری رہ گزر سے ہم

صدق و قلب سے محروم ہے حیات
کرتے ہیں بندگی بھی جہنم کے ڈر سے ہم

رہ رہ کے دیکھتے ہیں تمہیں کو خطا معاف
مجبور ہو گئے ہیں مذاقِ نظر سے ہم

عقبیٰ میں بھی ملے گی یہی زندگی شکیلؔ
مر کر بھی چھٹ نہ پائیں گے اس دردِ سر سے ہم

***

سر بہ سر محرمِ گنجینۂ اسرار تھے ہم
آہ وہ دن کہ محبت کے پرستار تھے ہم

رو زران مست نگاہوں سے پیا کرتے تھے
دو راز تفرقۂ زاہد و مے خوار تھے ہم

ان کی یاد، ان کا تصور تھی عبادت اپنی
رحمتیں جن پہ تصدق، وہ گنہگار تھے ہم

ان کے سودے کے علاوہ کوئی سودا ہی نہ تھا
جن سے الطافِ محبت کے خریدار تھے ہم

تھی روش اپنی مگر سارے زمانے سے جدا
دل سے اس رنگِ جدائی کے طرفدار تھے ہم

⁂

وہ دل میں رہتے ہیں، دل کا نشاں نہیں معلوم
مکیں کو ڈھونڈھ رہا ہوں، مکاں نہیں معلوم

سکوں سا پانے لگا ہوں غمِ محبت میں
کہاں گئیں مری بے تابیاں نہیں معلوم

چمن کی فکر بھی کر آشیاں کی فکر کے ساتھ
کدھر کو ٹوٹ پڑیں بجلیاں نہیں معلوم

وفا شعار تھی دست آئے منزل پر
کہاں کہاں پہ لٹا کارواں نہیں معلوم

شکیلؔ آئینہ ہے دورِ انقلاب مگر
مآلِ قسمتِ ہندوستاں نہیں معلوم

⁂

لطفِ نگاہ ناز کی تہمت اٹھائے کون
کچھ دیر کی بہار کو خاطر میں لائے کون

مانا حریمِ ناز کے پردوں میں ہے کوئی
لیکن حریمِ ناز کے پردے اٹھائے کون

پڑ جائے لاکھ وقت، مگر یہ نہیں قبول
میں دیکھتا رہوں کہ مرے کام آئے کون

کیسی بہار، کس کے ستارے، کہاں کے پھول
جب تم نہیں تو دیدہ و دل میں سمائے کون

ذوقِ عمل، نہ ذوقِ جنوں، ہر طرف سکوں
جنت اگر یہی ہے تو جنت میں جائے کون

محفل میں کوئی سوختہ جاں ہی نہیں شکیلؔ
سوز و گدازِ شمع پر آنسو بہائے کون

⁂

افسردہ نہ ہو اے نگہِ نازِ محبت
افشا ہوا جاتا ہے ہر اک رازِ محبت

چھیڑا ہی تھا جو نگاہوں نے ذرا سازِ محبت
ہر ذرے سے آنے لگی آوازِ محبت

دل مضطربِ شوق، نظر ساکت و خاموش
دیکھے تو کوئی حسن کے اندازِ محبت

وہ لاکھ فریبِ نگہ و دل سہی لیکن آغازِ محبت ہے پھر آغازِ محبت

تخلیق تشکیل اس کی ہے بے معنی و مطلب

جس دل کو نہ ہو جستجوئے رازِ محبت

ناکام عرضِ شوق کی جرأت ہے کیا کروں

دل خود ہی پردہ دارِ محبت ہے کیا کروں

شوقِ طوافِ کوئے محبت ہے کیا کروں

ان گردشوں پہ اور یہ حسرت ہے کیا کروں

دیکھوں انھیں تو تابِ نظارہ نہیں مگر

ان کو نہ دیکھنا بھی قیامت ہے کیا کروں

گو دل شکن ہیں ان کی تغافل شعاریاں

اس پہ بھی مجھ کو ان سے محبت ہے کیا کروں

جاتا ہوں روز ان کی طرف دل بہ کفِ تشکیل

کمبخت آج تک وہی عادت ہے کیا کروں

کسی کو جب نگاہوں کے مقابل دیکھ لیتا ہوں

تو پہلے سر جھکا کر حالتِ دل دیکھ لیتا ہوں

مآلِ جستجوئے ذوقِ کامل دیکھ لیتا ہوں

اٹھاتے ہی قدم آثارِ منزل دیکھ لیتا ہوں

ہیں تجھ سے اور لطفِ خاص کا طالب! معاذاللہ
ستم گر اس بہانے سے ترا دل دیکھ لیتا ہوں

جو موجیں خاص کر جسم و چراغِ دامِ طوفاں ہیں
میں ان موجوں کو ہم آغوشِ ساحل دیکھ لیتا ہوں

شکیلؔ احساس ہے مجھ کو ہر اک مذوطبیعت کا
غزل پڑھنے سے پہلے رنگِ محفل دیکھ لیتا ہوں

۔۔۔

قاتل کو ہے زعمِ چارہ گری، اب دردِ نہاں کی خیر نہیں
وہ مجھ پہ کرم فرمانے لگے، شاید مری جاں کی خیر نہیں

آخر وہ خمارِ بادہ گری رندوں کو ہوا ادراکِ ستم
کھلنے کو ہے مے خانہ کا بھرم، اب پیرِ مغاں کی خیر نہیں

اب تک تو کرم کی نظروں نے ہر فتنۂ دوراں روک لیا
اب دوش پہ زلفیں برہم ہیں، اب نظمِ جہاں کی خیر نہیں

سوچا ہے شکیلؔ ان کے دل کو میں فتح کروں گا سجدوں سے
یا میری جبیں کی خیر نہیں، یا کوئے بتاں کی خیر نہیں

۔۔۔

مناظر تھے جو فردوسِ تصوّر! وہ سب مستور ہوتے جا رہے ہیں
فراق و ہجر کے تاریک لمحے سراپا نور ہوتے جا رہے ہیں

۔۔۔

جلوۂ حسنِ کرم کا آسرا کرتا ہوں میں
جو خطا ممکن ہے مجھ سے بے خطا کرتا ہوں میں

جب صبوحی لے کے دردِ مرحبا کرتا ہوں میں
زندگی کو نیند سے چونکا دیا کرتا ہوں میں

وہ بھی کیا دن تھے کہ تھا پینے پلانے ہی سے کام
ہائے اب چار آنسوؤں پہ اکتفا کرتا ہوں میں

دیکھنے والے مری خاموشئ لب کو نہ دیکھ
آنکھوں آنکھوں میں فسانہ کہہ دیا کرتا ہوں میں

دل لرز جاتا ہے سن کر ہر سناٹے کا شکیلؔ
چاند سے تنہائیوں میں کچھ کہا کرتا ہوں میں

⁂

جنگ ہے جیسے مرگِ محبت
امن ہے جیسے رقصِ غزالاں

⁂

غمِ جہاں کے فسانے تلاش کرتے ہیں
یہ فتنہ گر تو بہانے تلاش کرتے ہیں

ربابِ امن و سکوں کے حسین تاروں میں
شکستِ دل کے ترانے تلاش کرتے ہیں

یہ انتہا ہے جنونِ ہوس پرستی کی
پرائے گھر میں خزانے تلاش کرتے ہیں

نئے نظام کی بنیاد توڑنے کے لیے
وفا شعار پرانے تلاش کرتے ہیں

ستم نواز دلوں کو جو سازگار نہ ہو
شکیلؔ! ہم وہ زمانے تلاش کرتے ہیں

جینے والے قضا سے ڈرتے ہیں ۔۔۔ زہر پی کر دوا سے ڈرتے ہیں

تجھ کو آواز دیں، یہ تاب کہاں ۔۔۔ ہم خود اپنی صدا سے ڈرتے ہیں

زاہدوں کو کسی کا خوف نہیں ۔۔۔ صرف کالی گھٹا سے ڈرتے ہیں

آپ جو کچھ کہیں ہمیں منظور ۔۔۔ لیکن بندے خدا سے ڈرتے ہیں

شعلۂ آشیاں کی فکر نہیں ۔۔۔ ہم تو موجِ ہوا سے ڈرتے ہیں

دشمنوں کے ستم کا خوف نہیں ۔۔۔ دوستوں کی وفا سے ڈرتے ہیں

عزم و ہمت کے باوجود شکیلؔ !
عشق کی ابتدا سے ڈرتے ہیں !

⁂

شرحِ جفائے چرخِ کہن مختصر نہیں
کس گھر میں آج ماتمِ اہلِ ہنر نہیں

ہوتے ہیں انقلاب جہاں میں نئے نئے
رنگِ جہاں مگر کبھی نوعِ دگر نہیں

اپنا وجود اپنے عدم کی دلیل ہے
رودادِ مرگ و زیست پہ کس کی نظر نہیں

ہوتی ہے مرنے والوں کی مرنے کے بعد قدر
گو زندگی میں عزتِ اہلِ ہنر نہیں

⁂

جھڈرہ نوردِ شوق کو دیکھا نہ مڑ کے بھی
یارانِ تیز گام کو بس دور سے سلام

بدلے بدلے مرے غم خوار نظر آتے ہیں
مرحلے عشق کے دشوار نظر آتے ہیں

کشتیٔ غیرت و احساس سلامت یارب
آج طوفان کے آثار نظر آتے ہیں

انقلاب آیا نہ جانے یہ چمن میں کیسا؟
غنچہ و گل مجھے تلوار نظر آتے ہیں

جائزہ دل کا اگر لوں تو وفا سے خالی
شکل دیکھو تو نمک خوار نظر آتے ہیں

ہم نہ بدلے تھے، نہ بدلے ہیں نہ بدلیں گے شکیلؔ
ایک ہی رنگ میں ہر بار نظر آتے ہیں

٭٭٭

برائے نام جہاں دورِ بے سرور چلیں
شکیلؔ! کیوں نہ ہم اس میکدے سے دور چلیں

نہ سمتِ وادیٔ ایمن نہ سوئے طور چلیں
نگاہ دل پہ جمائیں، ترے حضور چلیں

اس انجمن میں ریاکاریاں ہیں شاملِ عجز
چلو یہاں سے بصد نخوت و غرور چلیں

نسیمِ صبح میں نکہت نہ پھول میں خوشبو
یہی چمن ہے تو ایسے چمن سے دور چلیں

ہمارے سایہ پہ بھی رشک تھا شکیلؔ جنہیں
خدا کی شان! وہ اب ہم سے دور، دور چلیں

٭٭٭

خرد کو آزمانا چاہتا ہوں جنوں کی زد پہ لانا چاہتا ہوں
جو تھی حاصل تری محفل سے پہلے اسی خلوت میں جانا چاہتا ہوں
نہ ہوں جس میں نمایاں حال و ماضی کوئی ایسا زمانہ چاہتا ہوں
جفا و رنج و لطف و شادمانی میں سب کچھ بھول جانا چاہتا ہوں
تری خاطر جنہیں بیگانہ سمجھا انہیں اپنا بنانا چاہتا ہوں

محبت پر پڑے ترکِ محبت
کوئی تہمت لگانا چاہتا ہوں

سرگزشتِ دل کو رودادِ جہاں سمجھا تھا میں
مختصر سی بات کو اک داستاں سمجھا تھا میں
بن گئی میرے لیے اک اضطرابِ مستقل
جس محبت کو سکونِ قلب و جاں سمجھا تھا میں
وہ بھی میری گردشِ تقدیر کا اک دَور تھا
جس کو اب تک انقلابِ آسماں سمجھا تھا میں
تھا حرم کی سرزمیں پر لطف اندوزِ سجود
یعنی کعبے کو تمہارا آستاں سمجھا تھا میں
وادیِ غربت میں یوں گم کردہ منزل تھا تسکیںؔ
رہزنِ منزل کو خضرِ کارواں سمجھا تھا میں

پھر چاہتا ہوں اک اَلم تازہ تر شکیلؔ
پھر دل کو جستجوئے مسرت ہے آج کل

٭٭٭

نوازشوں کی حد ہوئی، کرم کی انتہا ہوئی
نہ میں کسی پہ ملتفت، نہ کوئی مجھ پہ مہرباں
جنوں پہ ہو کے طعنہ زن، خرد نے کچھ کہا مگر
میں اپنی منزلوں کی سمت چل دیا رواں دواں
ترا جمالِ دلنشیں چراغِ بزمِ رنگ و بو
مگر یہ کیا ہے مصلحت کبھی عیاں کبھی نہاں
قدم اٹھا، قدم اٹھا، شکیلؔ دیکھ سامنے!
وہ اڑ رہی ہے گرد سی وہ جا رہا ہے کارواں

٭٭٭

داغ بن جائے گا فرقت میں رشکِ مہر و ماہ
یوں بھی میرے غم کدے میں روشنی رہ جائے گی

٭٭٭

جو ہے رائیگاں تری جستجو، یہ مری نظر کی خطا نہیں
میں وہ گردِ راہِ حجاز ہوں جسے خود ہی اپنا پتا نہیں
میں فریبِ مرگ سے دور ہوں کہ ترا ہی پرتوِ نور ہوں
مری عمر، عمرِ دوام ہے، مجھے اعتقادِ فنا نہیں

وہی ایک سجدہ ہے کارگر جو ہو فکرو ہوش سے ماورا
وہ ہزار سجدے فضول ہیں جو رہین لغزشِ پا نہیں

میں شکیلؔ دل کا ہوں ترجماں، کہ محبتوں کا ہوں رازداں
مجھے فخر ہے مری شاعری مری زندگی سے جدا نہیں

⁂

اب تک وہی عالم ہے شکیلؔ اپنے جنوں کا
صحرا میں ہوں لیکن گلِ تر ڈھونڈھ رہا ہوں

⁂

ملا نہ رہروانِ مستِ گام کو ترا نشاں
نظر نظر میں رہ گئی الجھ کے گردِ کارواں

ترا جمال منکشف سرِ مکان و لامکاں
مری نگاہِ مضطرب کبھی یہاں کبھی وہاں

خیالِ آرزو میں گم، نگاہ جستجو میں گم!
فریبِ چشم و دل ہیں سب، یقین و آگہی کہاں

ہو جس کو تابِ ضبطِ غم وہ دل کہاں سے لاؤں میں
نفس نفس پہ مرحلے، قدم قدم پہ امتحاں

یہ عزمِ بال و پر لیے چمن میں پھر رہا ہے کون
نہ خوفِ برق و باد ہے، نہ فکرِ سوزِ آشیاں

⁂

جز نغمۂ ربابِ وفا اور کچھ نہیں
ظالم شکستِ دل کی صدا اور کچھ نہیں

لذت یہی، سرور یہی، زندگی یہی
دل میں ہجومِ غم کے سوا اور کچھ نہیں؟

پس منظرِ چمن کو ذرا غور سے تو دیکھ
جز رنگ و بوئے بہار میں کیا اور کچھ نہیں

آئینۂ جمالِ حقیقت ہے کائنات
سب کچھ وہی ہیں ان کے سوا اور کچھ نہیں

اب ہم ہیں اور میکدۂ حسن اے شکیلؔ
شغل اپنا مے کشی کے سوا اور کچھ نہیں

٭٭٭

کیا غمِ ہستی کیا غمِ جاناں — کون نہیں ہے شعلہ بداماں
نظمِ دو عالم گیسوئے جاناں — یہ کبھی پریشاں وہ کبھی پریشاں
کون ہے مجرم ترکِ وفا کا — آپ بھی نادم، ہم بھی پشیماں
اب جو کروں اظہارِ تمنا — ہاتھ تمہارا میرا گریباں
عشق کو دنیا کھیل نہ سمجھے — کام ہے مشکل، نام ہے آساں
واہ رے زاہد تیری دورنگی — دن کو فرشتہ، رات کو انساں

جنگ ہے جیسے مرگِ محبت
امن ہے جیسے رقصِ غزالاں

جب کبھی ہم ترے کوچے سے گزر جاتے ہیں
لوحِ ادراک پہ کچھ اور ابھر آتے ہیں

حسن سے لیجیے تنظیمِ دو عالم کا سبق
صبح ہوتی ہے تو گیسو بھی سنور جاتے ہیں

ہم نے پایا ہے محبت کا خمارِ ابدی
کیسے ہوتے ہیں وہ نشے کہ اتر جاتے ہیں

اتنے خائف ہیں مرے دل سے جنابِ واعظ
نامِ کوثر بھی جو سنتے ہیں تو ڈر جاتے ہیں

میکدہ بند، مقفل ہیں درِ دیر و حرم
دیکھنا ہے کہ شکیلؔ آج کدھر جاتے ہیں

⁂

صہبائے غرض تھی شعلہ فشاں اس درجہ ہر اک پیمانے میں
میخوار بھی توبہ کر بیٹھے، جب کچھ نہ ملا مے خانے میں
جھنکار کے نازک نشتر سے کٹ جائیں گی غم کی زنجیریں
کہہ دو کہ محبت رقص کرے دنیا کے سیاست خانے میں
زندہ ہے جنوں کی گرمی سے انسان کی روحِ آزادی
شعلوں پہ نہ پانی بجھ جائے، آئی ہے گھٹا ویرانے میں
کچھ کھو بھی گئے، کچھ مٹ بھی گئے، کچھ لوحِ خرد پہ باقی ہیں
وہ نام جو شامل ہو نہ سکے اے عشق ترے افسانے میں

تابندہ رہے ایمانِ شکیل اس کو ہی عبادت کہتے ہیں
سجدے کے لیے کچھ قید نہیں، کعبے میں ہو یا بتخانے میں

بے گانہ ہو کے بزمِ جہاں دیکھتا ہوں میں
دنیا کے رنگ و بو کا سماں دیکھتا ہوں میں

روشن ضمیر جیسے کوئی صرفِ دیا رہوں
یوں جلوہ ہائے کون و مکاں دیکھتا ہوں میں

میری نظر سے لاکھ زمانے گزر گئے
ہر شعبۂ طلسمِ جہاں دیکھتا ہوں میں

ارزاں ہے ظلم و جور کی افتادگی مگر
جنسِ وفا و مہر گراں دیکھتا ہوں میں

اک سمت جشنِ شادی و ہنگامۂ نشاط
اک سمت حشرِ آہ و فغاں دیکھتا ہوں میں

شرحِ الم دراز ہے الغصہ اے شکیل
اک داغ اپنے دل میں نہاں دیکھتا ہوں میں

زبانِ فطرت سے ان دنوں میں نئے نئے راز سن رہا ہوں
مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے، خود اپنی آواز سن رہا ہوں

ہر اہلِ دل کی زباں پہ یکساں فسانۂ زندگی نہیں ہے
کسی سے انجام سن رہا ہوں، کسی سے آغاز سن رہا ہوں

تجھے تو کوئی ملا نہ ایسا جو مرنے والوں کو زندہ کر دے
میں بھی بزمِ زاہداں میں حدیثِ اعجاز سن رہا ہوں

خبر نہیں امن کے اندھیرے میں کون خنجر چلا رہا ہے
کراہتی ڈوبتی سسکتی دلوں کی آواز سن رہا ہوں

سنا ہے اک لشکرِ عنادل مٹانے آیا ہے رسمِ زنداں
قفس کے نزدیک کچھ دنوں سے میں شورِ پرواز سن رہا ہوں

ملے گا نغمہ کوئی تو ایسا کہ ہوگی جس پہ حیات رقصاں
شکیلؔ میں دل کی انجمن میں صلائے ہر ساز سن رہا ہوں

یارب غرورِ حسن کو رسوا نہ کر سکوں
ہو تابِ دید بھی تو نظارا نہ کر سکوں

اے جبرِ عشق مجھ کو عطا کر وہ اعتماد
ناکامیِ حیات کی پروا نہ کر سکوں

دیکھا ہے میں نے حسنِ گریزاں کو ملتفت
کیوں امتیازِ شبنم و دریا نہ کر سکوں

درمانِ زندگی تو مرے بس کی بات ہے
وہ درد دے کہ جس کا مداوا نہ کر سکوں

باوصفِ اشک و آہ، بہ ایں حشر و اضطراب
ممکن ہے تیرے غم کو میں رسوا نہ کر سکوں

عالم محبتوں کا یہی ہے تو ایک دن
شاید یہ تذکرے بھی گوارا نہ کر سکوں

دل کے توہمات ہیں سب ورنہ اے شکیلؔ
میں اور ان سے عرضِ تمنا نہ کر سکوں

یہ تمام غنچہ و گل، ہیں ہنسوں تو مسکرائیں
کبھی یک بیک جو رو دوں تو ستارے ٹوٹ جائیں

مرے داغِ دل کی تابش جو کبھی یہ دیکھ پائیں
وہیں رشکِ بے اماں سے مہ و مہر ڈوب جائیں

کبھی ذوقِ جستجو پر اگر اعتبار کر لوں
سرِ راہ منزلیں خود مجھے ڈھونڈھنے کو آئیں

کبھی بے قرار ہو کر جو میں سازِ عشق چھیڑوں
تو یہ مشتری و زہرہ کوئی گیت پھر نہ گائیں

سرِ میکدہ جو دیکھیں مری مے کشی کا منظر
ہوں شیوخ سر بہ سجدہ کرے زہد التجائیں

٭٭٭

کیا پوچھتے ہو تمکنتِ عشق کا مآل؟ | یہ اہتمامِ برق و شرر دیکھتے نہیں؟
دلِ دادگانِ سوزِ محبت خدا گواہ | بجھتے ہوئے چراغِ سحر دیکھتے نہیں

٭٭٭

دل میں کسی خلش کا گزر چاہتا ہوں میں | جیسی بھی ہو بس ایک نظر چاہتا ہوں میں
پیہم غمِ فراق سے گھبرا گیا ہے دل | کچھ امتیازِ شام و سحر چاہتا ہوں میں
محتاجِ راہبر ہوں جہاں خضر تک تکنیکل | ایسی کبھی کوئی راہ گزر چاہتا ہوں میں

٭٭٭

لطف بر دوش، مسرت بکنار آیا ہوں | چند لمحے تری محفل میں گزار آیا ہوں

٭٭٭

شبِ فرقت کی ان رنگینیوں پہ جان و دل صدقے
تمہاری یاد ہو، دل میں ستارے جھلملاتے ہوں

٭٭٭

مرے پرمذاق فقرے مرے کام آ گئے ہیں
کہ ہنسی ہنسی میں اکثر وہ شکست کھا گئے ہیں

یہ گریز باتوجہ یہ ندامتوں کا عالم
کبھی سامنا ہوا ہے، تو نظر بچا گئے ہیں

جو نہاں ہیں دل میں نالے وہ تو روک لوں میں ناصح
مگر ان کو کیا کروں میں جو زباں پہ آ گئے ہیں

بڑے کارساز نکلے غمِ عاشقی کے شعلے
جو بچا رہے تھے دامن وہی زد پہ آ گئے ہیں

مجھے کر دیا ہے جب بھی غمِ زیست نے پریشاں
وہ شکیلؔ مسکرا کے مرا دل بڑھا گئے ہیں

٭٭٭

ہوئی اک عمر ترکِ التجا کو
مگر ہاتھ اب بھی اٹھتے ہیں دعا کو

انہیں ضد ہے مری عرضِ وفا سے
نہ جانے کیا سمجھتے ہیں وفا کو

غرض کی زندگی مطلب کی دنیا
کہاں رکھوں دلِ بے مدعا کو

جو ہیں کھوئے ہوئے سازِ طرب میں
وہ کیا سمجھیں مرے دل کی صدا کو

شکیلؔ اپنی وفا کرتی ہے ہر بار
سلامِ آخری اس بے وفا کو

نغمۂ عشق سناتا ہوں میں اس شان کے ساتھ
رقص کرتا ہے زمانہ مرے وجدان کے ساتھ

ہے مرا ذوقِ جنوں کفر و خرد کی زد میں
اے خدا اب تو اٹھا لے مجھے ایمان کے ساتھ

دل بنا دوست تو کیا کیا نہ ستم اس نے کئے
ہم کبھی داناں تھے نبھاتے رہے نادان کے ساتھ

داغ ماتھے پہ چلے شیخ و برہمن لے کر
آئے تھے دیر و حرم تک بڑے ارمان کے ساتھ

غمِ جاناں، غمِ ہستی، غمِ حالات شکیلؔ
کیا کہوں کتنی بلائیں ہیں مری جان کے ساتھ

٭٭٭

لمحہ لمحہ بار ہے تیرے بغیر　　زندگی دشوار ہے تیرے بغیر
دل کی بیتابی کا عالم کیا کہوں!　　ہر نفس تلوار ہے تیرے بغیر

آمسیحا، آکہ اب تیرا شکیلؔ
جان سے بیزار ہے تیرے بغیر

٭٭٭

تصور میں ان سے ملاقات کیوں ہو　　نظارہ بقیدِ حجابات کیوں ہو
نظر وقفِ شکر و شکایات کیوں ہو　　انہیں جس سے ضد ہو وہی بات کیوں ہو
مجھے ظلمتِ ہجر پہ ہے تعجب　　جہاں دن نہ نکلے وہاں رات کیوں ہو

وہ خود بھی ہیں جرمِ محبت میں شامل خطاوار تنہا مری ذات کیوں ہو

فریبِ وفا، وعدہ ہائے مسلسل
مجھی پر یہ مشقِ عنایات کیوں ہو؟

—:—

نہ ساقی نہ مطرب، نہ ساغر، نہ پینا گوارا ہو کیوں بے حیا بن کے جینا
ہر اک قطرہ خنجر، ہر اک بوند نشتر یہ آنسو ہیں یا زندگی کا پسینہ
تلاطم سے زور آزما کر تو دیکھیں بلا سے اگر ڈوب جائے سفینہ
شفق جس کو سمجھے ہوئے ہیں نگاہیں ہے فطرت کے ہاتھوں میں سرخ آبگینہ
جلووں سے عرضِ وفا کر تو دیکھیں وہ دادِ محبت نہ دیں گے یہی "نہ"
بدلتا ہے ہر سانس کے ساتھ عالم زمانہ ہے خود ہی ترقی کا زینہ

شکیلؔ اکثر احباب کا ہے یہ عالم
زباں پر حدیثِ وفا، دل میں کینہ

—:—

زندگی ان کی چاہ میں گزری مستقل دردو آہ میں گزری
رحمتوں سے نباہ میں گزری عمر ساری گناہ میں گزری
ہائے وہ زندگی کی اک ساعت جو تری بارگاہ میں گزری
سب کی نظروں میں سربلند رہے جب تک ان کی نگاہ میں گزری
میں وہ ایک رہ روِ محبت ہوں جس کی منزل بھی راہ میں گزری

اک خوشی ہم نے دل سے چاہی تھی وہ بھی غم کی پناہ میں گزری
زندگی اپنی اے شکیلؔ اب تک
تلخیِ رسم و راہ میں گزری

نہ خیالِ مرگ و ہستی، نہ ملالِ عمرِ فانی
مرا مدعا محبت، مری آرزو جوانی
وہی کیف بے نہایت وہ لطف و شادمانی
تری عشوتوں کے صدقے مری تلخ زندگانی
جو بھڑک اٹھے یہ شعلے تو مجھے بھی پھونک دے گی
مرا قصۂ محبت نہ سنو مری زبانی
مرے دل کا ساتھ دیتی مری زندگی کہاں تک
مجھے ہوش آ رہا تھا کہ گزر گئی جوانی
میں کروں تو شکوۂ غم، مگر اے یقینِ محکم
مجھے بے زباں نہ کر دے کہیں انکی بے زبانی

اے حسنِ خود بیں تیری دُہائی آئینہ اپنا صورت پرائی
بن ٹھن کے آئے وہ انجمن میں اللہ جانے اب کس کی آئی
ہم سے تو اچھے نالے ہیں اپنے ہے ان کے در تک جن کی رسائی
سنتے ہیں اکثر، وہ دل سے گزرے ہم نے تو کوئی آہٹ نہ پائی

اللہ رے اپنی شرحِ محبت دنیا نے سن لی، لب تک نہ آئی
ماتم نہ کیجیے شمعِ سحر کا جس نے جلائی اس نے بجھائی

دن ہیں تشکیل اب ترکِ طلب کے
ان کی نوازش ہے انتہائی

٭ ٭ ٭

پی شوق سے واعظ! ارے کیا بات ہے ڈر کی
دوزخ ترے قبضے میں ہے، جنت ترے گھر کی

ایمان کی دولت سے ترے حسن کا سودا؟
ایمان تو دولت ہے تری اک نظر کی

آ جائے تصور میں کوئی حشر بداماں
پھر میری شبِ غم کو ضرورت ہے سحر کی

کچھ سہل نہ پائے ہیں محبت کے مراتب
چھانی ہے بہت خاک تری راہ گزر کی

٭ ٭ ٭

تیرا غم پا کر بلائے عشرتِ فانی گئی
مرحبا ذوقِ سکوں، دل کی پریشانی گئی

ابر آیا، جام آیا، پھول برسے لیکن آہ!
زاہدانِ تنگ دل کی پاک دامانی گئی

٭ ٭ ٭

زندگی مدہوش ہو کر رہ گئی — ان سے ہم آغوش ہو کر رہ گئی
میں نے جب دیکھا تو وہ برقِ جمال — دفعتاً روپوش ہو کر رہ گئی
عشق پروانوں کو تھا وہ جل گئے — شمع کیوں خاموش ہو کر رہ گئی

کھل تو جائے گی زباں ان کے حضور
اور اگر خاموش ہو کر رہ گئی؟

——:——

یہ ڈوبتے تارے یہ فسردہ سا رخِ ماہ
آثار بتاتے ہیں سحر ہو کے رہے گی

——:——

فروغِ حسنِ کرم کا حاصل غمِ جفا کے تمام کیوں ہے؟
سحر کی تابانیاں مسلّم، مگر یہ پہلو میں شام کیوں ہے؟
فضائے بے کیفیِ محبت امین کیفِ دوام کیوں ہے؟
اگر نہیں دل کو غم سے راحت تو زندگی شاد کام کیوں ہے؟
اڑائی واعظ نے چھپ کے پیہم، چڑھائی رندوں نے مل کے باہم
یہاں تو یہ سوچنے ہی گزری کہ بادہ نوشی حرام کیوں ہے؟
نہ ذکرِ عنواں نہ حرفِ مطلب، ادھر خموشی، اُدھر تغافل
تو پھر یہ افسانہ محبت زبان زدِ خاص و عام کیوں ہے؟
انہی کو تھی ذکرِ مے سے نفرت یہی تھے زاہد یہی تھے حضرت
ذرا کوئی ان سے پوچھے، اب ان کے ہاتھوں میں جام کیوں ہے؟

——:——

رہ تصوّر میں کھونے والے شبِ الم ساز گار سمجھے
نظر کی موہوم تابشوں کو تجلیِ حسنِ یار سمجھے

※

ستم اپنے جو یاد آیا کریں گے
تو دل ہی دل میں پچھتایا کریں گے

غرورِ حسن کو باطل سمجھ کر
سراپا عشق بن جایا کریں گے

نہ ہوگی تابِ ضبطِ غم جب ان کو
یقیناً اشک بھر لایا کریں گے

قیامت ہوں گی نازک دل کی آہیں
ہر اک ذرے کو تڑپایا کریں گے

مجھے ہر گام پر ٹھکرانے والے
مجھی پر ناز فرمایا کریں گے

بس کہتا ہی رہوں گا قصّۂ غم
وہ سنتے سنتے سوجایا کریں گے

شکیلؔ اپنے لیے لمحاتِ فرصت
پیامِ نو بہ نو لایا کریں گے!

※

اے گردشِ تقدیر یہ کیا بوالعجبی ہے
آزاد ہوں اور پاؤں میں زنجیر پڑی ہے

جس دل سے دعائیں نے غمِ عشق کو دی ہے
اس دن سے مجھے میری قضا ڈھونڈھ رہی ہے

ہے سب کی نگاہوں میں جدا لے کا تصور
میرا تو عقیدہ ہے کہ ہر شخص نے پی ہے

ہونے دے نہ ساغرِ مئے ادراک سے خالی
کل کے لیے رکھ چھوڑ جو تھوڑی سی بچی ہے

تنہائی کے لمحات گراں بار ہیں اکثر
میں نے تجھے بے ساختہ آواز بھی دی ہے

غم خانۂ ہستی میں ہے ہر چیز میسّر!
لیکن جو کمی ہے تو محبت کی کمی ہے

نعرہ ہے محبت کا شکیلؔ اپنا یہ مصرعہ
انسان کے کام آئے جو انسان وہی ہے

⁂

طبیعت خود بخود دلدادۂ غم ہوتی جاتی ہے
صدائے دل صدائے سوزِ ماتم ہوتی جاتی ہے

ہوائے دہر کی خوں نابہ افشانی ارے توبہ
خزاں بر کفِ بہارِ بزمِ عالم ہوتی جاتی ہے

ترانے عشق کے اتنے ہی دلکش ہوتے جاتے ہیں
صدائے سازِ ہستی جتنی مدھم ہوتی جاتی ہے

خمِ تیغِ قضا، محرابِ کعبہ ہے نگاہوں میں
جبینِ شوق سجدوں کے لیے خم ہوتی جاتی ہے

⁂

مختصر داستانِ ہستی میں
تذکرے غم کے بار بار آئے

***

کیا ہوا جو خضر ہم کو راہ دکھلاتے رہے
ہم تو منزل پر بھی آکر ٹھوکریں کھاتے رہے

عزم محکم کی بدولت دل رہا ثابت قدم
سیکڑوں طوفان اس ساحل سے ٹکراتے رہے

ہائے وہ تیری نوازش اے نگاہِ اوّلیں
زندگی بھر بیقراری کے مزے آتے رہے

ہر سیاست اوج پاکر نقشِ فانی بن گئی
عشق کی زندہ حقیقت لوگ دہراتے رہے

مطلعِ ہستی ضیائے امن سے خالی رہا
دوستارے عمر بھر آپس میں ٹکراتے رہے

کر سکے فیاضِ ہستی بھی نہ تعبیرِ حیات
گرمیِ الفاظ سے محفل کو گرماتے رہے

بے طلب کچھ بھی نہ پایا بارگاہِ حسن سے
بھیک قسمت میں لکھی تھی ہاتھ پھیلاتے رہے

زندگی گزری تھی اپنی دورِ ظلمت میں تشکیل
پھر بھی اربابِ نظر کو ہم نظر آتے رہے

***

شبِ مہتاب و شامِ زندگانی یاد آتی ہے
مجھے پھر آج اک بھولی کہانی یاد آتی ہے
کسی کا وہ مری خلوت میں شرماتے ہوئے آنا
تلاطم خیز رفتارِ جوانی یاد آتی ہے

دلِ بیتاب کا وہ عالم وارفتگی توبہ!
نگاہ شوق کی وہ بے زبانی یاد آتی ہے

لبوں پر ہائے وہ شکرِ کرم بے لفظ و بے معنی
ہواس و ہوش کی وہ سرگرانی یاد آتی ہے

تری خاطر جلی جاتی ہے جو سوزِ محبت میں
کبھی تجھ کو وہ شمعِ زندگانی یاد آتی ہے

مجھے تو تیری زلفوں کا مہکنا یاد آتا ہے
تجھے بھی میرے اشکوں کی روانی یاد آتی ہے

وہ اندازِ غزل گوئی تمہارا ہم نہ بھولیں گے
ابھی تک وہ ادائے شعر خوانی یاد آتی ہے

ہزار قیدِ جہاں سے چھٹ کر بہار کا آسرا کریں گے
بہار بھی ہم قفس زدوں کو نہ راس آئی تو کیا کریں گے

اب اور اس کے سوا نہ ہوگی قفس میں تسکین دل کی صورت
چمن کی جانب نظر اٹھا کر کبھی کبھی ہنس لیا کریں گے

یہ کیا خبر تھی کہ شام فرقت مرے لیے سازگار ہوگی
وہ ماہ و انجم کی آڑ لے کر مرے فسانے سنا کریں گے

نگاہ کی بندشیں سلامت، جنوں کی پابندیاں مسلّم
کہیں بھرم کھل گیا تو اے دل، میں کیا کروں گا وہ کیا کریں گے

یہ دیکھنا ہے کہ بعد ترکِ تعلقات اے شکیلؔ کب تک
نہ کوئی ہم پہ جفا کرے گا نہ ہم کسی سے وفا کریں گے

۔۔۔

میکدے کا میکدہ خاموش تھا میرے بغیر
میں ہوا وارد تو پیمانے صدا دینے لگے

۔۔۔

تلخیٔ حالاتِ رفتہ سے جو گھبرانے لگے
میرا دل لے کر وہ اپنے دل کو بہلانے لگے
عشقِ اول پر مجھے ایمان ہی لانا پڑا
وہ بھی پختہ کار تھے، افسانے دہرانے لگے
مل گئی ان کو بھی آخر شدتِ غم سے نجات
اور مجھ کو بھی محبت کے مزے آنے لگے
محفلوں پر رنگ آیا، خلوتیں روشن ہوئیں
روز و شب دل کے پیام آنے لگے جانے لگے
رہ سکا قائم نہ دو دن یہ فریبِ دل دہی
میری جائز التجاؤں کو وہ ٹھکرانے لگے
میرے دل کی ہر گزارش جبر کہہ کر ٹال دی
اختیارِ حسن کی تصویر دکھلانے لگے

جس سے چاہا گفتگو کی جس کو دیکھا ہنس دیئے
میرے آگے وہ کرم دنیا پہ فرمانے لگے
ان کی دنیا میں تو تم ایسے ہزاروں ہیں شکیلؔ
تم ہی پاگل تھے جو ان کو پا کے اترانے لگے

:.:

ترا ہی عکس دیکھا صورتِ شمس و قمر میں نے
تجھی کو روبرو پایا بہ عنوانِ دگر میں نے
کیا ہوتا نہ آنکھوں کو غمِ ہستی میں تر میں نے
اگر پہچان لی ہوتی زمانے کی نظر میں نے
نہ تھے جب تم، لامحدود تھی تاریکیٔ فرقت
تمہارے ساتھ ہی آتے ہوئے دیکھی سحر میں نے
قیامت تک نہ ہوگی ختم میری شرحِ دل ہمدم
اگر کہنے سے تیرے کر بھی دی مختصر میں نے

:.:

تیری محفل میں باریابی ہے
بس یہی میری کامیابی ہے
دل کی نیرنگیاں ارے توبہ
آج زاہد ہے کل شرابی ہے
ہے شکیلؔ ایک شاعرِ فطرت
یہ نہ سمجھو کہ انقلابی ہے

نظر کو شرکتِ غم کی بھی تاب نہیں
بس آج ہم رہیں گلشن میں یا بہار رہے

خزاں کے دم سے ہے قایم چمن کی رعنائی
اجڑ ہی جائے اگر مستقل بہار رہے

مآلِ خندۂ گل پہ نکل پڑیں آنسو!
اگر نگاہ پسِ پردۂ بہار رہے

⁂

رات ہوئی ، ہیما نے چھلکے خوشیاں اپنی غم دشمن کے
عشق کی صہبا ، یاد کا ساغر خوب کٹیں گے دن ساون کے

⁂

سکون و صبر کا امیدوار ہے اب تک
نہ جانے کس لیے دل بے قرار ہے اب تک

کسی کے جلوۂ رنگیں کی جاذبیت سے
مراد جو دہ رنگِ بہار ہے اب تک

وہ اپنی وعدہ خلافی پہ ہو گئے نادم
اسی لیے تو مجھے اعتبار ہے اب تک

اٹھا تھا ایک ہی پردہ ہزار پردوں میں
جہاں میں تذکرۂ حسنِ یار ہے اب تک

جلے ہوئے مرے دل کو ہوا زمانہ شکیلؔ
کسی کی برقِ نظر شعلہ بار ہے اب تک

تھا دل کو سکوں عشق جنوں گیر سے پہلے
گردش ہی نہ تھی گردشِ تقدیر سے پہلے
اب قیمتِ یک موجِ نفس ہو گئی معلوم
کچھ بھی تو نہ تھا آہ میں تاثیر سے پہلے
اے سایۂ دامانِ کرم ڈھونڈھنے والو
انجام بھی سوچا کبھی تقصیر سے پہلے

٭٭٭

اپنا ہم مسلک و ہم راز کسے کہیے شکیلؔ
نظر اس بزم میں سب آتے ہیں بیگانے سے

٭٭٭

یہ محفل زاہدانِ خشک کی محفل ہے اے رندو!
ذرا اس بزم میں ذکرِ شراب آہستہ آہستہ
مری نظریں مجھی کو رفتہ رفتہ بھولے جاتی ہیں
ہوئے جاتے ہیں جلوے کامیاب آہستہ آہستہ
نہ کہیے ہاں نہ کہیے، آپ کو مجھ سے محبت ہے
نگاہیں خود ہی دے دیں گی جواب آہستہ آہستہ
شکیلؔ اس درجہ مایوسی شروعِ عشق میں کیسی؟
ابھی تو اور ہونا ہے خراب آہستہ آہستہ

٭٭٭

داغ ماتھے پہ چلے شیخ و برہمن لے کر!
آئے تھے دیر و حرم تک بڑے ارمان کے ساتھ

غمِ جاناں، غمِ ہستی، غمِ حالات شکیلؔ
کیا کہوں کتنی بلائیں ہیں مری جان کے ساتھ

***

اب وہ خود محوِ علاجِ دردِ پنہاں ہو گئے
اے خوشا قسمت کہ پھر جینے کے ساماں ہو گئے

سوچ تو لیتے کہ آئینے میں کس کا عکس ہے
اک ذرا سی بات پر اس درجہ حیراں ہو گئے

دید کے قابل ہے فیضِ رہ نوردانِ جنوں
خارِ دامن سے الجھ کر گل بداماں ہو گئے

صدقۂ جاں سوزئ فرقت کو مجھ پہ بار تھا
میری حالت دیکھ کر تم کیوں پریشاں ہو گئے

حضرتِ واعظ جہاں کی لذتوں سے کیوں ہو دور
یہ فرشتہ خصلتی کیسی، جب انساں ہو گئے

عہدِ فردا اک بہانہ ہی سہی، لیکن شکیلؔ
اس بہانے سے سکونِ دل کے ساماں ہو گئے

***

ہر جذبۂ غم کی تلخی میں اک مستی پنہاں دیکھیں گے
جو گردشِ ساغر دیکھ چکے، کیا گردشِ دوراں دیکھیں گے

ہر بار ہماری جانب ہے تجدیدِ محبت کیا معنی
اک دن نیچی نیچی نظروں کو خود سلسلۂ جنباں دیکھیں گے

سمجھے تھے کہ تو اے پردہ نشیں، ادراک و یقیں کی حد میں نہیں
لیکن یہ خبر کیا تھی کہ تجھے نزدیک رگِ جاں دیکھیں گے

آجائے شکیلؔ اک بار کوئی، برہم ہے اگر برہم ہی سہی
ہستی کے شکستہ ساز پہ ہم، فطرت کو غزل خواں دیکھیں گے

رفتہ رفتہ بجھتا جاتا ہے چراغِ آرزو
پہلے دل خاموش تھا، اب زندگی خاموش ہے
مجھ کو طوفانِ حوادث کی نہیں پروا شکیلؔ
میری ہستی ابتدا ہی سے تلاطم کوش ہے

نگاہِ شوق پہ کرنا ہے آشکار مجھے
وہ ایک راز جو سمجھا گئی بہار مجھے

فریبِ وعدۂ فردا کو جانتا ہوں، مگر
میں کیا کروں اگر آجائے اعتبار مجھے

حضور تشنۂ تکمیل ہے مذاقِ الم
شکستِ دل کی صدا بن کے پھر پکار مجھے

زمانہ ترکِ محبت کو ہو گیا، لیکن
ستا رہی ہے خلش کوئی بار بار مجھے

نگاہِ قہر کی محبوب تلخیوں کی قسم
نگاہ لطف کبھی آئی نہ سازگار مجھے

محبت آرزو، سعیِ مسلسل، ذوقِ محرومی
متاعِ زندگی میں بس یہی دو چار افسانے

⁂

صداقت آج کل ہم پایۂ تقصیر دیکھی ہے
جو منصف ہیں انہیں کے پاؤں میں زنجیر دیکھی ہے

گروہِ چارہ سازانِ غمِ دل، اے معاذ اللہ
زباں پر یا محبت ہاتھ میں شمشیر دیکھی ہے

نجانے کون خوش قسمت غمِ دوراں سے بچ نکلا
درِ زنداں پہ اک ٹوٹی ہوئی زنجیر دیکھی ہے

اجالا ہو گیا کچھ اور جب شمعیں ہوئیں یک جا
مری آنکھوں نے آج اس خواب کی تعبیر دیکھی ہے

نہ کیوں فصلِ بہاراں کو ترا پیغامبر سمجھوں
چمن میں پتّے پتّے پر تری تحریر دیکھی ہے

ہمارے گھر وہ آئے ہیں مگر ہم گھر سے باہر ہیں
شکیلؔ اس رنگ میں بھی گردشِ تقدیر دیکھی ہے

⁂

بے خودی ہے نہ ہوشیاری ہے
بادہ خواری سی بادہ خواری ہے

حسن مصروفِ پردہ داری ہے
جانے اب کس نظر کی باری ہے

کم نہیں شورشِ نفس، لیکن
زندگی پر جمود طاری ہے

غمِ الفت تو دل سے ہار چکا!
اب غمِ زندگی کی باری ہے

جس چمن میں کبھی نہ آئے بہار
اس چمن کی خزاں بھی پیاری ہے

ہائے وہ بادہ کش کہ جس نے شکیلؔ
زندگی بے پیے گزاری ہے

⁂

یہ کیا خلفشارِ جہاں ہے کہ جس میں — نہ جینا سکوں سے نہ مرنا سکوں سے
بنے آتشِ عشق گلزار کیوں کر — ہر اک سینہ خالی ہے سوزِ دروں سے

⁂

نہ فروغِ بام کی جستجو، نہ ضیائے در کی تلاش ہے
جو کسی کی راہ میں کھو گئی، مجھے اس نظر کی تلاش ہے
مجھے پاسکے کہ نہ پاسکے یہ نظر نظر کی تلاش ہے
کہیں ایک لمحے کی جستجو، کہیں عمر بھر کی تلاش ہے
غمِ زندگی سے اجڑ گئیں وہ تصورات کی محفلیں
کبھی شامِ بھی عزیز تھی مگر اب سحر کی تلاش ہے
مری زندگی پہ کرم کریں، غمِ روزگار کی تلخیاں
ہیں خراب کوچہ و دشت ہوں، مجھے اپنے گھر کی تلاش ہے
ہیں سرورِ عزم سے بے خبر یہ پائے شوق کی جرأتیں
ابھی کاروانِ حیات کو کسی راہبر کی تلاش ہے
مجھے ایک لحظہ سکوں نہیں یہ تضادِ ہوش تو دیکھئے
کبھی دردِ دل سے ہوں مطمئن کبھی چارہ گر کی تلاش ہے

⁂

لا رہا ہے کوئی شیشے میں بھر کر سامنے
کس قدر پر کیف ہے منظر نظر کے سامنے

میں تو اس عالم کو کیا سے کیا بنا دیتا، مگر
کس کی چلتی ہے حیاتِ مختصر کے سامنے

پھر نہ دینا طعنۂ، ناکامیِ ذوقِ نظر
حوصلہ ہے کچھ تو آجاؤ نظر کے سامنے

آہ! یہ رودادِ ہنگامِ طرب، اے غمگسار
ذکرِ گلشن جیسے اک بے بال و پر کے سامنے

ہو چکا جب خاتمہ ساری امیدوں کا تو پھر
جا رہے ہو کیوں شکیلؔ اس فتنہ گر کے سامنے

∴

شکیلؔ دوریِ منزل سے ناامید نہ ہو
اب آئی جاتی ہے منزل اب آئی جاتی ہے

∴

ہم ان کی انجمن کا سماں بن کے رہ گئے
سرتاقدم نگاہ و زباں بن کے رہ گئے

پلٹے مقدرات کچھ اس طور سے، کہ ہم
تصویرِ انقلابِ جہاں بن کے رہ گئے

کیا دل نہ بن سکے گا تری اک نگاہ سے
جب دم زدن میں کون و مکاں بن کے رہ گئے

مظلوم دل کی تلخ نوائی تو دیکھنا
نغمے جو لب تک آئے فغاں بن کے رہ گئے

اب ہم ہیں اور حقیقتِ آلام اے شکیلؔ
لمحے خوشی کے خوابِ گراں بن کے رہ گئے

٭٭٭

یہ زمیں، آسماں ترے صدقے
میں ہی کیا، دو جہاں ترے صدقے

ہر نفس، ہر خیال تجھ پہ نثار
ہر نظر، ہر زباں ترے صدقے

خلوتِ حسنِ شش جہت کی قسم
بزمِ کون و مکاں ترے صدقے

نقشِ ہے لوحِ دل پہ تیرا کلام
رحمتِ جاوداں ترے صدقے

رنگ و بو میں الجھ سکا نہ شکیلؔ
جلوۂ لامکاں ترے صدقے

٭٭٭

دیِ خزاں نہ سہی، غیرتِ بہار کرے
کوئی تو شکوۂ آلامِ روزگار کرے

غمِ حیات سے دل کو ابھی نجات نہیں
نگاہِ ناز سے کہہ دو کہ انتظار کرے

کہاں مسرتِ باطل، کہاں حقیقتِ غم
خزاں کا ذکر نہ آوارۂ بہار کرے

شریکِ سازشِ حرماں خزاں سہی، لیکن
اگر یہ جرم خزاں کی جگہ بہار کرے

٭٭٭

ہنوزِ گردشِ دورِ حیات باقی ہے
گزاریئے تھوڑی سی رات باقی ہے

انہیں یہ خوف کہ ہر بات مجھ سے کہہ ڈالی
مجھے یہ وہم کوئی خاص بات باقی ہے

حریفِ سکوں دردِ دل ہو گیا ہے — غمِ عارضی مستقل ہو گیا ہے
جھکا ہے ترے در پہ جو بھی فرشتہ — وہی پیکرِ آب و گل ہو گیا ہے
نہ جانے محبت کا انجام کیا ہو — کئی دن سے مضمحل ہو گیا ہے
مرا سوزِ حرماں و رنگِ پریدہ — ترے حسن میں منتقل ہو گیا ہے

وہیں بجھ گئے ہیں جہنم کے شعلے
گناہ گار جب منفعل ہو گیا ہے

⁂

عشق کا کوئی خیر خواہ تو ہے — تو نہیں ہے تری نگاہ تو ہے
عرضِ غم کیوں نہ ان سے کر دیکھوں — اب بھی تھوڑی سی رسم و راہ تو ہے
زندگی اک سیاہ رات سہی — عاشقی اک چراغِ راہ تو ہے
روز و شب کی حقیقتیں معلوم — اک تماشائے مہر و ماہ تو ہے
تابِ جلوہ مجھے نہیں، نہ سہی — لیکن اک جرأتِ نگاہ تو ہے

اور اقبالِ جرم کیا ہو شکیلؔ
تھرتھراتے لبوں پہ آہ تو ہے

⁂

دل کے بہلانے کی تدبیر تو ہے — تو نہیں ہے تری تصویر تو ہے
ہم سفر چھوڑ گئے مجھ کو تو کیا — ساتھ میرے مری تقدیر تو ہے
قید سے چھوٹ کے بھی کیا پایا — آج بھی پاؤں میں زنجیر تو ہے
کیا مجال ان کی نہ دیں خط کا جواب — بات کچھ باعثِ تاخیر تو ہے

پرسشِ حال کو وہ آ ہی گئے کچھ بھی ہو عشق میں تاثیر تو ہے
غم دنیا دنیا رہے آباد شکیلؔ
مفلسی میں کوئی جاگیر تو ہے

⁂

شکستِ بے خودی کے مستقل ساماں تو ہوں گے
نہ کیوں جی بھر کے پی لوں، میکدے ویران تو ہوں گے
ہم ان کے سامنے آئینۂ دل لے کے جاتے ہیں
نتیجہ کچھ سہی لیکن ذرا حیران تو ہوں گے
یہ دنیا جنتِ عشرت ہے منہ بولے فرشتوں کی
جہنم چاہیے مجھ کو، وہاں انسان تو ہوں گے
ہجومِ غم سے تنگ آکر کوئی مرتا ہے مرنے دو
زمانے پر جنابِ عشق کے احسان تو ہوں گے
اسی دھن میں گزارے جا رہا ہوں زندگی اپنی
کبھی یہ زندگی کے مرحلے آسان تو ہوں گے
غمِ آلام سے کیوں ہو مفر کوئے محبت میں
جہاں آباد ہیں کچھ گھر وہاں مہمان تو ہوں گے
شکیلؔ ان کی کرم فرمائیوں سے دل دھڑکتا ہے
یہ مانا خوبصورت ہیں مگر نادان تو ہوں گے

⁂

آج وہ بھی عشق کے مارے نظر آنے لگے
ان کی بھی نیند اڑ گئی، تارے نظر آنے لگے

آنکھ ویراں، دل پریشاں زلف برہم لب خموش
اب تو وہ کچھ اور بھی پیارے نظر آنے لگے

دل میں سوزِ عاشقی انگڑائیاں لینے لگا
آشیاں کے پاس انگارے نظر آنے لگے

ہم تو دریا ہی کو سمجھے تھے تلاطم آفریں
آج تو ساحل پہ بھی دھارے نظر آنے لگے

جن کو سن کر معترض ہوتے تھے وہ اکثر شکیلؔ
اب وہی اشعار شہ پارے نظر آنے لگے

⁂

عشق کی چنگاریوں کو پھر ہوا دینے لگے
میرے پاس آکر وہ دشمن کو دعا دینے لگے

میکدے کا میکدہ خاموش تھا میرے بغیر
میں ہوا وارد تو پیمانے صدا دینے لگے

ختم کرنا ہی پڑیں گی شامِ غم کی الجھنیں
اب وہ اپنے گیسوؤں کا واسطہ دینے لگے

اعترافِ اوج کا جذبہ نہیں احباب میں
ہر ترقی پر تنزل کی دعا دینے لگے

دوستوں کی کج ادائی میں بھی لذت ہے شکیلؔ
دوست وہ ہے دوست بنکر جو دغا دینے لگے

⁂

نالہ و آہ پے بہ پے اے دلِ زار تا بہ کے
جس کا تجھے خیال ہے، اسکو تری خبر بھی ہے

⁂

ناصح کو ذوقِ مشغلۂ وعظ و پند ہے
فضلِ خدا سے وہ بھی ترقی پسند ہے
اندر جو جائیے تو وہی جشنِ مے کشی!
باہر جو دیکھیے درِ میخانہ بند ہے
تعمیرِ زندگی ہو کہ تشکیلِ کائنات
ہر حسن، حسنِ یار کا احسان مند ہے
اپنے سوا کسی کو بھی دادِ ہنر نہ دی
انساں ہے جسکا نام بڑا خود پسند ہے
دکھلائیے نہ دور کے پرچم کی رفعتیں
تبلیغ کیجیے کہ محبت بلند ہے
باوصفِ احترامِ غمِ زندگی شکیلؔ
میں کیا کروں مجھے غمِ جاناں پسند ہے

⁂

لاکھ دستورِ وفا دنیا سے اٹھتا جائے ہے
آج بھی لیکن کوئی انساں نظر آ جائے ہے
گاہے گاہے دیکھتے ہیں وہ محبت سے مجھے
رفتہ رفتہ زندگی کا راز کھلتا جائے ہے
بھول جاتا ہوں غمِ دوراں کو دم بھر کے لیے
جب کوئی زہرہ جبیں میرے قریب آ جائے ہے

(ق)

عشق تو ہو ہی چکا تھا غرق طوفانِ حیات
حسن بھی موجِ غمِ ہستی میں ڈوبا جائے ہے
ہیں وہی گیسو، مگر پہلی سی وہ خوشبو نہیں
ہیں وہی عارض مگر کچھ رنگ اڑتا جائے ہے

٭٭٭

کیا کیجیے شکوہ دوری کا ملنا بھی غضب ہو جاتا ہے
جب سامنے وہ آجاتے ہیں احساسِ ادب ہو جاتا ہے
دنیا بھی اسی کم ہمت کو دیتی ہے سزائیں جینے کی
دنیا کے ستم سے تنگ آ کر جو شکوہ بہ لب ہو جاتا ہے
ہے جو بھی مسرت کا طالب آجائے وہ غم کی محفل میں
ملتے ہیں جہاں اربابِ اَلم، اک جشنِ طرب ہو جاتا ہے
ہنگامۂ عالم میں یوں تو ہیں امن و محبت کے چرچے
لیکن کوئی کارِ حرص و ہوس، نفرت کا سبب ہو جاتا ہے
بے تاب نظر کی شوخی نے جلووں کا تکلّف چھین لیا
پردے بھی تشکیل اٹھ جاتے ہیں دیدار بھی اب ہو جاتا ہے

٭٭٭

معلوم ہے دل کی فتنہ گری، پھر بھی تو نبھانا پڑتا ہے
اس عشق میں اکثر دشمن کو سینے سے لگانا پڑتا ہے

دلِ غمزدہ کو خوشی کب ملے گی؟ — نہ جانے نئی زندگی کب ملے گی؟
یہ پژمردہ کلیاں، یہ افسردہ غنچے — نہ جانے انھیں تازگی کب ملے گی؟
ترانہ بلب ہیں ہزاروں کنہیّا — نہ جانے انھیں بانسری کب ملے گی؟
خموشی کو زورِ بیاں کب ملے گا؟ — تکلّم کو سنجیدگی کب ملے گی؟
تصور میں کب ہو گی پیدا نفاست — تخیل کو پاکیزگی کب ملے گی؟
نئے جام و ساغر تو بخشے ہیں تو نے — مگر ساقیا! بے خودی کب ملے گی؟
خرد کو تو دیوانہ پن مل گیا ہے — جنوں کو مگر آگہی کب ملے گی؟

شکیلؔ اپنے دل کی حکایت ہو جس میں
ترنم کو وہ روشنی کب ملے گی؟

تہمتِ آب و گِل اٹھا نہ سکی! — زندگی زندگی کو پا نہ سکی
عقل نے بھی جنوں کا روپ بھرا — لیکن اس روپ کو نبھا نہ سکی
ربطِ باہم تو دیکھئے کہ بہار — ان سے پہلے چمن میں آ نہ سکی
ہائے وہ بدنصیب پروانے — شمع جن کو کبھی جلا نہ سکی
روح جب تک ہوئی نہ ہم آواز — زندگی سازِ نو پہ گا نہ سکی

کتنی وسعت ہے دو جہاں میں شکیلؔ
میری ہستی مگر سما نہ سکی

ضبط کا خوگر ہے دل، ان کی توجہ کم سہی
زندگی میں لاکھوں غم ہیں، ایک یہ بھی غم سہی

غور سے سُن لیں مکینِ جنتِ آسودگاں
گر بھی جاتے ہیں مکاں، بنیاد مستحکم سہی

آپ خونِ عشق کا الزام اپنے سر نہ لیں!
آپ کا دامن سلامت اپنے قاتل ہم سہی

ہم ہی غافل ہیں ادائے شکر سے اے بے نیاز
تیری رزاقی بہ قدرِ جرعۂ شبنم سہی

ہم نہیں اے ہم نشیں منت کشِ فصلِ بہار
ہے شگفتِ گل سے مطلب کوئی بھی موسم سہی

جن کو اٹھنا ہے وہ اٹھ جاتے ہیں چپکے سے شکیل
بعد ان کے بزم میں گریہ سہی، ماتم سہی

٭٭٭

کہیں عشق کا تقاضہ کہیں حسن کے اشارے
نہ بچا سکیں گے دامن غمِ زندگی کے مارے

شبِ غم کی تیرگی میں، مری آہ کے شرارے
کبھی بن گئے ہیں آنسو، کبھی بن گئے ہیں تارے

نہ خلش رہی وہ مجھ میں، نہ کشش رہی وہ تجھ میں
جسے زعمِ عاشقی ہو، وہی اب تجھے پکارے

جنہیں ہو سکا نہ حاصل کبھی کیفِ قربِ منزل
وہی دو قدم ہیں مجھ کو تری جستجو سے پیارے
میں شکیلؔ ان کا ہو کر بھی نہ پا سکا ہوں ان کو
مری طرح زندگی میں کوئی جیت کر نہ ہارے

٭ ٭ ٭

مجھ سے خفا خفا بھی ہیں اور بہم بھی ہے
موت کے ساتھ ساتھ ہی دعوتِ زندگی بھی ہے
مستِ شرابِ حسن ہوں اوج پہ تشنگی بھی ہے
وہ مرے سامنے بھی ہیں آنکھ انہیں ڈھونڈتی بھی ہے
زیست سے خوف و عار کیا، صدمۂ روزگار کیا
موت کا انتظار کیا، موت ہی زندگی بھی ہے
شکوۂ جورِ حسن کیوں، صدمۂ دردِ ہجر کیا
دل ہے تو دل لگی بھی ہے، غم ہے تو زندگی بھی ہے
لوگ یہ کہہ اٹھے تمام سن کے شکیلؔ کا کلام
"نغمہ نوازیاں بھی ہیں، شعر میں پختگی بھی ہے"

٭ ٭ ٭

تری اک نظر کا حاصل عدم و وجودِ جاں ہے
کہیں زندگی کا عالم کہیں مرگِ ناگہاں ہے
ترے حُسنِ ضو فگن سے یہ فروغ گلستاں ہے
نہ ہو جس میں تیرا پرتو وہ بہار بھی خزاں ہے

مرے تیرے سوزِ دل کا نہیں بوالہوس تقابل
مری آگ میں شرر ہے تری آگ میں دھواں ہے
کبھی پانوں لڑکھڑائے تو کہا یہ مجھ سے دل نے
"وہ چمک رہی ہے منزل، وہ غبارِ کارواں ہے"
رہوں ترکِ معصیت پر میں شکیلؔ کیسے قایم
ابھی دل میں ولولے ہیں ابھی آرزو جواں ہے

⁂

کوئی آرزو نہیں ہے، کوئی مدّعا نہیں ہے
ترا غم رہے سلامت، مرے دل میں کیا نہیں ہے
کہاں جامِ غم کی تلخی کہاں زندگی کا درماں
مجھے وہ دوا ملی ہے جو مری دوا نہیں ہے
تو بچائے لاکھ دامن مرا پھر بھی ہے یہ دعویٰ
ترے دل میں ہی میں ہوں کوئی دوسرا نہیں ہے
تمہیں کہہ دیا ستم گر، یہ قصور تھا زباں کا
مجھے تم معاف کر دو مرا دل برا نہیں ہے
مجھے دوست کہنے والے ذرا دوستی نبھا دے
یہ مطالبہ ہے حق کا کوئی التجا نہیں ہے
یہ اُداس اداس چہرے یہ حسیں حسیں تبسم
تری انجمن میں شاید کوئی آئینہ نہیں ہے

مری آنکھ نے تجھے بھی، بہ خدا شکیلؔ پایا
میں سمجھ رہا تھا مجھ سا کوئی دوسرا نہیں ہے

٭٭٭

دانستہ سامنے سے جو وہ بے خبر گئے
دل پر ہزار طرح کے عالم گزر گئے

آوارگانِ کوئے محبت جدھر گئے
دنیا پکار اٹھی کہ "غلط راہ پر گئے"

رودادِ بزمِ اہلِ محبت نہ پوچھئے
ہنستے ہوئے جو آئے تھے باچشمِ تر گئے

جب تجھ کو ارتباطِ محبت پہ ناز تھا
اے زندگی! بتا وہ زمانے کہاں گئے

٭٭٭

مہرباں ہو کے مل گئے وہ گلے
اب اندھیرا نہیں چراغ تلے

آنچ آنے نہ دوں گا گلشن پر
آشیانہ مرا رہے کہ جلے

٭٭٭

شکوۂ اضطراب کون کرے
اپنی دنیا خراب کون کرے

گن تو لیتے ہیں انگلیوں پہ گناہ
رحمتوں کا حساب کون کرے

عشق کی تلخ کامیوں کے نثار
زندگی کامیاب کون کرے

ہم سے مے کش جو توبہ کر بیٹھیں
پھر یہ کارِ ثواب کون کرے

غرقِ جام و شراب ہو کے شکیلؔ
شغلِ جام و شراب کون کرے

٭٭٭

رنگ لائے غمِ دوراں تو مزہ آجائے
وہ بھی ہوجائیں پریشاں تو مزا آجائے

تو سمجھتا ہے جسے بابِ نشیمن اے دوست
وہ بھی نکلے درِ زنداں تو مزا آجائے

ذکر کرتے ہیں بہاروں کا بہت اہلِ خرد
تھام لے کوئی گریباں تو مزا آجائے

ہے بہت ناز تمہیں اپنی نگاہوں پہ شکیلؔ
دیکھ لو جلوۂ جاناں تو مزا آجائے

⁂

اہانتِ دلِ صبر آزما نہیں کرتے
بلند ہم کبھی دستِ دعا نہیں کرتے

وہ بات انکی نگاہیں بنائے دیتی ہیں
جسے وہ اپنی زباں سے ادا نہیں کرتے

امیدِ عہدِ وفا اور ان بتوں سے شکیلؔ
جو بھول کر بھی کسی سے وفا نہیں کرتے

⁂

خانۂ امید بے نور و ضیا ہونے کو ہے
چشمِ تر سے آخری آنسو جدا ہونے کو ہے

یہ بھی اے دل اک فریبِ وعدۂ فردا نہ ہو
روز سنتا ہوں کوئی محشر بپا ہونے کو ہے

دُور ہوں لیکن بتا سکتا ہوں ان کی بزم میں
کیا ہوا، کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونے کو ہے

کھل رہی ہے آنکھ اک کافر حسیں کی صبح دم
مے کشو! مژدہ، درِ میخانہ وا ہونے کو ہے

ترکِ الفت کو زمانہ ہو گیا، لیکن شکیلؔ
آج پھر میرا اور ان کا سامنا ہونے کو ہے

غمِ حیات کبھی آغوشِ حسنِ یار میں ہے ــــ یہ وہ خزاں ہے جو ڈوبی ہوئی بہار میں ہے
اثر شراب کا عہدِ وفائے یار میں ہے ــــ قدم قدم پہ جو لغزش سی اعتبار میں ہے
شگفتگیِ دلِ کارواں کو کیا سمجھے ــــ وہ اک نگاہ جو الجھی ہوئی بہار میں ہے
شکستِ حوصلۂ ضبطِ غم مجھے منظور ــــ چلے بھی آؤ کہ دل کب سے انتظار میں ہے

یہ اضطراب کا عالم یہ شوقِ بے پایاں
شکیلؔ آج بلاشبہ کوئے یار میں ہے

۔۔۔

غم سے کہاں اے عشق مفر ہے ــــ رات گئی تو صبح کا ڈر ہے
ترکِ وفا کو مدت گزری ــــ آج بھی لیکن دل پہ اثر ہے
آئینے میں جو دیکھ رہے ہو ــــ یہ بھی ہمارا حسنِ نظر ہے
غم کو خوشی کی صورت بخشی ــــ اس کا سہرا آپ کے سر ہے
تم ہو مسیحا، تم ہی سمجھ لو ــــ میں کیا جانوں درد کدھر ہے

(ق)

آج یہ فیضِ نکتہ سناساں ــــ تنگ ادب کی راہ گزر ہے
پھر بھی شکیلؔ اس دور میں پیارے ــــ صاحبِ فن ہے، اہلِ ہنر ہے

۔۔۔

ذوقِ گناہ و عزمِ پشیماں لیے ہوئے
کیا کیا ہنر ہیں حضرتِ انساں لیے ہوئے

کفر و خرد کو راس نہ آئے گی زندگی
جب تک جنوں ہے مشعلِ انساں لیے ہوئے

ہوں انکے سامنے نگراں پر نظر نہیں
سعیِ طلب ہے عزمِ گریزاں لیے ہوئے

دل کو سکونِ پستیِ ساحل سے کیا غرض
ہر عزم ہے بلندیِ طوفاں لیے ہوئے

گلشن کے دل میں آج بھی محفوظ ہیں وہ پھول
مرجھا گئے جو داغِ بہاراں لیے ہوئے

آہی گئے وہ عرضِ ندامت کو اے شکیلؔ
لعلیں لبوں پہ خندۂ گریاں لیے ہوئے

⁂

شب کی بہار صبح کی ندرت نہ پوچھیے
کتنا حسیں ہے خوابِ محبت نہ پوچھیے

پھولوں کی غم رسیدہ مسرّت نہ پوچھیے
ظاہر میں خندہ زن ہیں، حقیقت نہ پوچھیے

وہ دن گئے کہ تھی مجھے پرسش کی آرزو
مجبور ہو کے اب مری حالت نہ پوچھیے

ہاتھوں سے دل کے چھوٹ گیا دامنِ امید
کیا مل گیا جوابِ شکایت، نہ پوچھیے

یوں دیکھتے ہیں جیسے اِدھر دیکھتے نہیں
اس لطفِ بے طلب کی نزاکت نہ پوچھیے

⁂ (ختم شُد)

کتبہٗ:۔ لعل محمد خاں